مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

میں ایف اے سالِ اوّل ' آئی سی ایس اور آئی کام

میں داخلے جاری ہیں

بیرون لاہور کے طلبہ کے لئے ہاسٹل کی مناسب سہولت بھی موجود ہے

تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں

پرنسپل : 191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور فون : 5833637

مزید برآں طالبات کے لئے مرکزی انجمن کے تحت قائم شدہ معیاری تعلیمی ادارے

قرآن کالج فار گرلز

433۔K بلاک' ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم

میں بھی ایف اے سالِ اوّل میں

داخلے جاری ھیں

جہاں بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی مناسب اہتمام ہے۔
کالج کا پہلا گروپ انتہائی کامیابی سے اپنا تعلیمی سال مکمل کر چکا ہے

تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں

ناظم کالج : 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور 03-5869501

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۱۹ — ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ — جولائی ۲۰۰۰ء — شمارہ ۷

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شادی بکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون ۸۰/- روپے، فی شمارہ ۸/- روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہونے کی نسبت سے ماہ ربیع الاوّل میں ہمارے ہاں خصوصی طور پر سیرت النبی ﷺ کی محافل برپا ہوتی ہیں جن میں آنحضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے مختلف گوشوں کا تذکرہ کر کے ان سے روشنی و رہنمائی حاصل کرنے کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں اس کام کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل رہی۔ چنانچہ ان کے دور میں ماہِ ربیع الاوّل کے دوران قومی سیرت کانفرنسوں کا انعقاد بھی ہوتا اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اس ضمن میں خصوصی پروگرام بھی نشر ہوتے۔

اسی سلسلہ میں پندرھویں صدی ہجری کے پہلے ربیع الاول میں پاکستان ٹیلی ویژن نے قومی نشریاتی رابطے پر یکم تا ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ "رسولِ کامل ﷺ" کے عنوان سے ایک بارہ روزہ پروگرام پیش کیا، جس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کی اصل غرض و غایت، ختم نبوت کے لوازم، رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں اور خصوصیت کے ساتھ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے انقلابی پہلو اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جیسے موضوعات پر گفتگو کی اور محدود وقت کے اندر پندرہ پندرہ منٹ کی بارہ تقاریر میں ان موضوعات کو اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

حکمت قرآن کی زیر نظر اشاعت سے یہ سلسلۂ تقاریر قارئین کے استفادہ کے لئے حکمت قرآن کے صفحات کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کا تذکرہ ماہ ربیع الاول تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ یہ رشد و ہدایت کا ایک مستقل سرچشمہ ہے۔ لہٰذا قارئین ان شاء اللہ العزیز اس سلسلۂ تقاریر سے سال بھر مستفید ہو سکیں گے۔ ○○

درس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف

—— (۲) ——

چند تمہیدی مباحث

سورۃ الصّف اور سورۃ الجُمُعہ کا براہِ راست مطالعہ کرنے سے قبل قرآن حکیم کی سورتوں کے بارے میں تعارفی و تمہیدی نوعیت کی دو مزید باتوں کی جانب توجّہ کرنا مفید رہے گا۔ اجمالاً ان امور کی جانب اشارات پچھلے اسباق میں بھی کئے جا چکے ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح ہر گروپ کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے اسی طرح قرآن حکیم کی ہر سورۃ کا ایک عمود یا Axis ہوتا ہے' جسے ایک ایسے دھاگے سے مشابہہ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں موتی پروئے گئے ہوں اور ان موتیوں کو ہار کی شکل دی گئی ہو۔

قرآن حکیم کی ہر آیت اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک حسین موتی ہے۔ لیکن جب اسے ایک سلسلۂ کلام کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے' ایک مرکزی مضمون کے ساتھ اس کا ربط قائم ہوتا ہے تو اس کے حسن میں ایک نئی شان پیدا ہوتی ہے اور اس ربط باہم سے علم و حکمت کے نئے نئے پہلو آشکارا ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کی ہر سورۃ پر غور کرنے کے لئے اس سورۃ کے مرکزی مضمون اور عمود کا تعیّن ضروری ہے۔ پھر ہر آیت پر اپنی

جگہ غور کرنے کے بعد اس مرکزی مضمون کے ساتھ ان آیات کے ربط کو تلاش کرنا تدبّرِ قرآن کے نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ اسلوب نظر آتا ہے کہ کسی ایک مضمون کو جس کے دو رُخ یا دو پہلو ہوں، کسی ایک ہی سورۃ میں بیان کرنے کی بجائے بالعموم دو سورتوں میں منقسم کر دیا جاتا ہے اور وہ دو سورتیں گویا ایک جوڑے (Pair) کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس مضمون کے ایک پہلو پر گفتگو اس جوڑے میں شامل ایک سورۃ میں اور دوسری پر بحث دوسری سورۃ میں ہوتی ہے۔ اور جیسے کہ محاورتاً کہا جاتا ہے کہ ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں اور ان کے اجتماع سے تصویر مکمل ہوتی ہے، اسی طرح دونوں سورتیں مل کر ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔

اس کی ایک نمایاں مثال "معوّذتَین" کی ہے جو قرآن حکیم کی آخری دو سورتیں ہیں۔ ان کا مضمون ایک ہی ہے یعنی "تعوّذ"۔ ان چیزوں کو کہ جن سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک وہ آفات ہیں جو انسان پر خارج سے حملہ آور ہوتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو انسان کے اپنے باطن سے ابھرتی ہیں۔ پہلی قسم کی آفات سے سورۃ الفلق میں اللہ کی پناہ حاصل کرنے کا ذکر ہے اور دوسری نوع کی آفات سے سورۃ الناس میں۔ اس طرح سے "معوّذتَین" کی شکل میں قرآن حکیم کی سورتوں کا ایک حسین و جمیل جوڑا وجود میں آ گیا۔

اسی طرح کا معاملہ سورۃ المزّمّل اور سورۃ المدّثّر کا ہے۔ ان دونوں سورتوں کے ناموں میں بھی لفظی مشابہت موجود ہے اور مضامین کے اعتبار سے بھی گہری مماثلت نظر آتی ہے۔ ایک میں نبی اکرم ﷺ کو قیام اللّیل کی شکل میں ذاتی ریاضت کا حکم دیا جا رہا ہے : ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ ﴾ یہ آپ کی ذاتی تربیت کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ : ﴿ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ ﴾ "ہم آپ پر بڑی بھاری بات ڈالنے والے ہیں"۔ اس کے لئے آپ ﷺ کو ذاتی تربیت کے اس مرحلے سے گزرنا ہو گا۔ اور دوسری سورۃ میں اس مشن کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے کہ جس کے لئے آپ

کو بھیجا گیا تھا اور جس کے لئے یہ ساری تیاری درکار تھی۔ فرمایا گیا : ﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ○ ﴾ کہ اب اپنے mission کی تکمیل کے لئے کھڑے ہو جایئے' اپنی جِدّوجُہد کا آغاز کیجئے' اور اللہ کی کبریائی کا اعلان کیجئے! چنانچہ یہ دونوں سورتیں مل کر ایک حسین وجمیل جوڑے کی صورت اختیار کرتی ہیں۔

یہ دو مثالیں ان سورتوں سے متعلق تھیں جن کا باہم جوڑا ہونا بہت نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی سورتیں ایسی ہیں جن کا باہم جوڑا ہونا بڑی آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً اٹھائیسویں پارے کے آخر میں دو سورتیں سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق ایک انتہائی خوبصورت جوڑے کی شکل میں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں عائلی زندگی کے دو مختلف پہلوؤں اور ان سے متعلقہ مسائل سے بحث کرتی ہیں۔ ایک پہلو شوہر اور بیوی کے مابین عدم موافقت سے متعلق ہے جس کی انتہا طلاق ہے۔ اور دوسرے کا تعلق شوہر اور بیوی کے مابین محبّت و الفت سے ہے' جو اگرچہ مطلوب اور پسندیدہ ہے' لیکن اگر یہ معاملہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے اور ایک دوسرے کے جذبات کا لحاظ اس حد تک کیا جانے لگے کہ حدود اللہ ٹوٹنے لگیں تو یہ دوسری انتہا ہے۔ سورۃ الطّلاق میں ایک انتہا سے بحث ہوئی اور سورۃ التّحریم میں دوسری انتہا زیر بحث آئی۔

اسی طرح کا معاملہ سورۃ المنافقون اور سورۃ التّغابن کا ہے۔ یہ دونوں سورتیں ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ ایمانِ حقیقی اور اس کے ثمرات و مضمرات کے موضوع پر سورۃ التغابن قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ ہے۔ اگرچہ قانونی سطح پر ایمان کے مقابل کا لفظ "کفر" ہے' لیکن حقیقی اعتبار سے ایمان کے مقابل کا لفظ "نفاق" ہے۔ نفاق دراصل فقدانِ ایمان کی باطنی کیفیت کا نام ہے۔ چنانچہ مصحف میں سورۃ التغابن سے متصلاً قبل جڑی ہوئی سورۃ المنافقون موجود ہے جو نفاق کے موضوع پر قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ ہے۔ نفاق کے اسباب اور اس کے نقطۂ آغاز سے لے کر اس کے انجام اور اس کے علاج تک تمام اہم مباحث اس ایک چھوٹی سی سورۃ میں جمع ہیں۔ سورۃ التغابن اور سورۃ المنافقون دونوں کو مصحف میں یکجا کر دیا گیا اور اس طرح ایک مضمون کی تکمیل ہو گئی۔

بعثتِ نبویؐ کے دو اہم پہلو

باہم جوڑا ہونے کی یہ نسبت سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ میں بھی بہت نمایاں ہے۔ بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے دو رُخ چونکہ ان دو سورتوں میں زیر بحث آئے ہیں لہٰذا میرا احساس یہ ہے کہ ان پر غور و فکر کرنے والا ہر شخص اپنے باطن میں ان سورتوں کے ساتھ قلبی اور ذہنی مناسبت کی ایک عجیب اور نرالی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ ایک سورت یعنی سورۃ الصّف کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ کا مقصد بعثت کیا ہے! یہ موضوع اپنی جگہ نہایت اہم ہے' اس لئے کہ کسی بھی شخص کے کارنامۂ حیات کو assess کرنے (جانچنے) کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ متعین کیا جائے کہ اس کا ہدف کیا تھا' وہ کیا کرنے چلا تھا اور اس کی منزلِ مقصود کون سی تھی۔ اس پہلو سے سیرتِ محمدیؐ کے مطالعے کے لئے واقعتاً یہ سورۂ مبارکہ اور بالخصوص اس کی مرکزی آیت انتہائی اہمیت کی حامل ہے' کہ یہ سمجھا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت کیا تھا اور آپؐ کا فرضِ منصبی کیا تھا! یہ ہے مرکزی مضمون سورۃ الصّف کا۔ چنانچہ ہم دیکھیں گے کہ اس سورۂ مبارکہ میں تفصیل سے یہ مباحث آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرضِ منصبی کا تقاضا ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں ان کا فرضِ ہے کہ وہ اس جِدّوجُہد میں رسولؐ کا ہاتھ بٹائیں' رسولؐ کے دست و بازو بنیں' ان کے مشن کی تکمیل میں اپنی جان اور مال' اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو صرف کر دیں اور اگر ضرورت پڑے اور وقت آئے تو اس راہ میں اپنی جان بھی نچھاور کر دیں۔ یہ گویا ان کے ایمان کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ اس پہلو سے واقعہ یہ ہے کہ اس سورۃ الصّف میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا مضمون اپنی منطقی انتہا اور اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کو منتخب نصاب کے اس چوتھے حصّے میں رکھا گیا ہے جو "تواصی بالحق" کی تشریحات پر مشتمل ہے اور جس کا جامع عنوان ہے "جہاد فی سبیل اللہ"۔

ذہن میں رہے کہ اس منتخب نصاب میں جہاد کی بحث کا آغاز سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ سے ہوا تھا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ پھر آیت ۱۵ میں ایمانِ حقیقی کی تعریف (definition) ان الفاظ

میں آئی : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ﴾ جہاد فی سبیل اللہ کا ہدفِ اوّلین یا اس کی ابتدائی منزل کا ذکر سورۃ الحج کی آخری آیت کے حوالے سے ہمارے سامنے آچکا ہے۔ یعنی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا' لوگوں پر اتمامِ حجت کرنا یا بالفاظِ دیگر "شہادت علی النّاس" کا فریضہ ادا کرنا جہاد فی سبیل اللہ کا اوّلین ہدف ہے۔ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی آخری منزل' اس کی غایتِ قصویٰ یا اس کا ہدفِ آخریں ہے اللہ کے دین کا غلبہ۔ اور یہ ہے وہ اہم مضمون جو اس سورۃ الصّف میں ہمارے سامنے آئے گا۔

بعثتِ نبویؐ کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ وہ اساسی منہجِ عمل اور وہ بنیادی طریق کار کون سا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرضِ منصبی کو ادا کیا اور اپنے اس مشن کی تکمیل کی جس کا تعین سورۃ الصّف میں کیا گیا ہے۔ یہ ہے مرکزی مضمون سورۃ الجمعہ کا۔ اس پہلو سے سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعے میں ان دونوں سورتوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان دونوں سورتوں نے مل کر گویا ایک مضمون کی تکمیل کر دی کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت کیا تھا' اور اس کے لئے آپؐ کا اساسی طریق کار اور بنیادی منہجِ عمل کون سا تھا!

مقصد کا تعیّن اور صحیح منہجِ عمل کی تعیین

یہاں ایک بات کی جانب توجّہ دلانا غیر مفید نہ ہو گا جو بڑی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ ہر اس شخص کو جو دین کے ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کا کچھ بھی احساس و شعور رکھتا ہو اور اپنے ان فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ ہو' اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ دین کی سربلندی کی جدّوجُہد میں یہ دونوں باتیں بہت اہم ہیں : (i) مقصد کا تعین اور (ii) اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح راہ کا تعین۔ دونوں انتہائی ضروری ہیں۔ اگر مقصد کا تعین صحیح نہیں ہی' ہدف غلط معیّن ہو گیا ہے' یا بلا مقصد کسی ایک دائرے (circle) میں حرکت جاری ہے تو لاکھ محنت اور کوشش کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا' خواہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ گھروں سے نکلیں اور چالیس چالیس دن بلکہ اس سے بھی زیادہ

وقت دین کی محنت میں صرف کریں۔ اگر یہ ساری محنت بغیر ہدف کے ہو رہی ہے تو غلبۂ دین کی راہ میں کوئی مؤثر پیش رفت اس ذریعے سے نہیں ہو سکتی۔ منزل اور ہدف کا تعین بہت ضروری ہے ـــــ لیکن ہدف کے تعین کے ساتھ ہی اس طے شدہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے صحیح منہج عمل اور طریق کار کا تعین بھی ازحد ضروری ہے۔ اس لئے کہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ منزل کے صحیح تعین کے باوجود انسان کسی غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔ صحیح منہج عمل اگر سامنے نہ ہو تو منزل تک پہنچنے کی جلدی میں بعض اوقات انسان کسی راہِ قصیر (short-cut) کو آزمانے کی غلطی کر بیٹھتا ہے' لیکن پھر وہ short-cut کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ پھر تمام محنتوں' کوششوں اور قربانیوں کے باوجود منزل دور سے دور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ صحیح منہج عمل کو ترک کرنے کا یہ نتیجہ نکل کر رہتا ہے۔

یہ موٹی سی بات تو ہر شخص کے سمجھ لینے کی ہے کہ ہر مقصد اور ہر ہدف کے حصول کے لئے ہر طریق کار مفید نہیں ہوتا۔ ہر مقصد کے حصول کا اپنا ایک معیّن طریق کار ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہیں اشتراکی انقلاب برپا کرنے کا خواہش مند ہے تو اسے ایک خاص منہج عمل اختیار کرنا ہو گا۔ اسے اپنے معاشرے میں طبقاتی شعور پیدا کرنا ہو گا اور اس طبقاتی شعور کو اجاگر کر کے طبقاتی تصادم کو جنم دینا ہو گا۔ لیکن اگر کوئی نیک دل انسان تصادم کو ناپسند کرتا ہو اور اس سے گریز چاہتا ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ اشتراکی انقلاب کی راہ میں آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اس لئے کہ اس انقلاب کا راستہ اسی وادی میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

اسی طرح یہ بات جان لیجئے کہ دین کی اقامت اور اس کا غلبہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں۔ یہ بات پوری وضاحت کی ساتھ سورۃ الصف کی مرکزی آیت کے حوالے سے ہمارے سامنے آئے گی : ﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ اس میں اگر کسی کو اشتباہ ہے' اور نیک نیتی کے ساتھ اشتباہ ہے تو وہ اللہ کے ہاں تو عذر پیش کر سکے گا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ پھر قرآن مجید اور اس کے فہم سے اسے کوئی حصہ حاصل نہیں!

دین کو دنیا میں ایک عملی اور ایک زندہ نظام کی حیثیت سے قائم اور برپا کرنا بعثتِ

محمدی کا بنیادی مقصد ہے۔ اسی کے لئے محنت' اسی کے لئے جِدّوجُہد' اسی کے لئے کوشش' اسی کے لئے جینا' اسی کے لئے مرنا' اسی میں مال اور جان کا کھپانا بندۂ مؤمن کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس مقصد کی طرف پیش قدمی کا اپنا ایک طریق اور نہج معیّن ہے۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ دنیا میں بعض دوسری تحریکیں کسی اور طریقے پر عمل پیرا ہو کر کامیاب ہو گئیں' کوئی وقتی سا نعرہ کسی تحریک کے لئے مفید ثابت ہو گیا یا کسی نے کوئی short-cut اختیار کیا اور وہ لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہو گیا' اور اس قسم کی چیزوں سے متأثر ہو کر ہم بھی ایسا ہی کوئی طریق کار غلبۂ دین کی جِدّوجُہد میں اختیار کریں تو یہ بات ذہن میں رکھئے کہ تمام تر خلوص اور اخلاص کے باوجود کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکے گا ـــــ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا اساسی منہج عمل وہ ہے جو سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت میں نہایت دوٹوک الفاظ میں بیان ہوا ہے : ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾

مقصدِ بعثت کا مضمون تین مرتبہ دہرایا گیا

یہاں یہ عجیب بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں وہ آیت جس میں حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کا بیان ہے' تین مرتبہ وارد ہوئی ہے۔ دو مرتبہ اس شان کے ساتھ آئی ہے کہ اس میں ایک شوشے کا بھی فرق نہیں ہے : ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ ﴾ یہی الفاظ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ میں وارد ہوئے ہیں اور بعینہٖ انہی الفاظ میں یہ آیت سورۃ الصّف کے وسط میں وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ الفتح کے آخری رکوع میں آیت ۲۸ کا مرکزی حصّہ بھی انہی الفاظ پر مشتمل ہے' یعنی : ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ ـــــ یہاں تک الفاظ بالکل وہی ہیں جو سورۃ التوبہ اور سورۃ الصّف میں وارد ہوئے ہیں' البتہ آیت کے آخری حصے میں یہاں ﴿ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ کی بجائے ﴿ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴾ کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

اساسی منہج عمل کا ذکر چار مقامات پر!

اب آیئے سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کی طرف جو حضور نبی اکرم ﷺ کے بنیادی طریق کار یا بالفاظِ دیگر انقلابِ محمدیؐ کے اساسی منہاج کو معیّن کر رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سورۃ الصّف کی مرکزی آیت قرآن حکیم میں تین مرتبہ وارد ہوئی تھی تو یہ آیت ترتیب کے ذرا سے فرق کے ساتھ قرآن مجید میں چار مرتبہ آئی ہے۔ اولاً یہ آیت سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں وارد ہوئی ہے جہاں نقشہ کھینچا گیا ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا جبکہ وہ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے : ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾

اُس وقت جو دعائیں ان کی زبانوں پر تھیں ان میں ایک دعا تو یہ تھی کہ اے پروردگار! ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت اور اولاد میں سے ایک اُمّتِ مُسلمہ برپا کیجیو! اور پھر ان کی آخری اور نہایت اہم دعا یہ نقل ہوئی کہ :

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ ﴾ (البقرۃ : ۱۲۹)

"اے پروردگار! ان میں اپنا ایک رسول مبعوث کیجیو جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے!"

یہ ہے درحقیقت بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے لئے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعاء۔ پھر تین رکوعوں کے بعد سورۃ البقرۃ ہی میں اٹھارہویں رکوع کے اختتام پر اعلان ہوتا ہے :

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.... ﴾ (البقرۃ : ۱۵۱)

"جیسا کہ ہم نے بھیج دیا ہے تمہارے اندر اپنا ایک رسول جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے . . . "

اعلان کر دیا گیا کہ محمد ﷺ کی بعثت دراصل اُسی دعاءِ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا ظہور ہے۔

سورۃ آل عمران میں اس مضمون کی پھر تکرار ہوئی ہے :

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۶۴)

"اللہ کا احسان ہے اہل ایمان پر کہ اس نے ان میں اپنا ایک رسول مبعوث کیا انہی میں کا' جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے' ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

ان تین مقامات کے بعد اب چوتھی بار یہی مضمون یہاں سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں' جو اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے' وارد ہوا ہے۔ اور اس طرح ان دونوں سورتوں کے باہم مجتمع ہونے سے وہ حسین و جمیل جوڑا وجود میں آیا جو ایک طرف بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مقصد کو معین کر رہا ہے اور دوسری طرف اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح منہج عمل اور بنیادی طریق کار کو معیّن کر رہا ہے۔

اب ہم ان سورتوں کے مطالعے کا آغاز کریں گے اور اس کے لئے ہمیں اپنے سابقہ معمول سے قدرے مختلف طریق کار اختیار کرنا ہو گا۔ اس لئے کہ ان سورتوں کا درس اگر اس نہج پر ہو کہ پہلے ایک ایک آیت پر توجّہات کو مرتکز کیا جائے اور پھر ان میں شامل ایک ایک لفظ کی گہرائی میں اترنے کی کوشش کی جائے تو اندیشہ ہے کہ یہ معاملہ بہت طول اختیار کر جائے گا۔ ان دونوں سورتوں کے درس میں یہ طریق ملحوظ رہے گا کہ اوّلاً ہر سورۃ کی مرکزی آیت کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تاکہ وہ اصل سرا یا ڈور ہاتھ میں آ جائے جس میں یہ موتی پروئے ہوئے ہیں۔ اس مرکزی آیت کو سمجھنے کے بعد پھر مختلف آیات کے ساتھ اس مرکزی مضمون کے ربط و تعلق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے' تاکہ بحیثیتِ مجموعی سورۃ کا اصل مفہوم واضح ہو جائے۔ اسی طریقے سے سورۃ الصّف کا مطالعہ ہو گا اور اسی نہج پر ان شاء اللہ العزیز سورۃ الجمعہ کا مطالعہ ہو گا۔

نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کی دو شانیں

اس سے پہلے کہ ہم سورۃ الصّف کی مرکزی آیت پر غور شروع کریں' ایک بنیادی

حقیقت کی طرف توجہ کر لینا مفید ہو گا۔ ہماری اس گفتگو میں بار بار نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کا حوالہ آیا ہے۔ تو یہ جان لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کی دو شانیں ہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ آپؐ بھی یقیناً دوسرے انبیاء کی طرح اللہ کے ایک نبی ہیں لیکن آپؐ صرف نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ آپؐ کو بھی دیگر رسولوں کی طرح رسالت سے سرفراز کیا گیا ہے لیکن آپؐ صرف ایک رسول نہیں' آخر الرسلین بھی ہیں۔ گویا آپؐ کی بعثت کے مقاصد میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو تمام نبیوں اور رسولوں کے پیش نظر تھیں' اور اضافی طور پر آپؐ کے مقصد بعثت کی ایک خصوصی اور امتیازی شان ختمِ نبوت اور ختمِ رسالت کے حوالے سے ہے جس میں آپؐ تمام انبیاء و رُسل میں ممتاز ہیں۔

ختمِ نبوت اور ختمِ رسالت کے ایک پہلو سے تو ہم سب خوب اچھی طرح واقف ہیں' یعنی یہ کہ حضور ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا' نہ کوئی صاحبِ شریعت نبی اور نہ کوئی بغیر شریعت نبی' نہ کوئی ظلی نبی اور نہ ہی کوئی بروزی نبی! آپؐ پر ہر نوع کی نبوت و رسالت ختم ہو گئی' لیکن ختم نبوت و رسالت کا دوسرا اور اہم تر پہلو یہ ہے کہ آپؐ پر نبوّت و رسالت کا محض اختتام ہی نہیں ہوا' اتمام بھی ہوا ہے' تکمیل بھی ہوئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا یہ وہ امتیازی پہلو ہے جو بالعموم ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ آپؐ کا بنیادی مقصدِ بعثت یقیناً وہی ہے جو تمام انبیاء اور تمام رسولوں کا تھا' لیکن آپؐ کے مقصدِ بعثت میں ایک تکمیلی اور اتمامی شان بھی ہے جس کی حیثیت ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت کے عکس اور پرتو کی ہے اور اس میں کوئی دوسرا نبی اور رسولؑ آپؐ کے ساتھ شریک نہیں! سورۃ الصّف میں درحقیقت حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کے اسی پہلو کی طرف اشارہ ہے' اور اسی کے حوالے سے جہاد و قتال کا موضوع وہاں تفصیل سے زیر بحث آیا ہے۔

جہاں تک آپ ﷺ کے اس بنیادی مقصدِ بعثت کا تعلق ہے جو تمام انبیاء اور رسولوں کا مشترکہ مقصدِ بعثت رہا ہے' اس کے بارے میں یہاں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حوالے سے جو فرائضِ نبوّت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام ادا کرتے

رہے وہی فرائض آپ ﷺ کو بھی تفویض ہوئے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا کہ :

﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ (الکھف : ۵۶)

"ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر مبشّر اور نذیر بنا کر۔"

بعثتِ انبیاء و رُسل کے ضمن میں یہ اللہ کا ایک عمومی قاعدہ ہے۔ چنانچہ یہی بات حضور ﷺ کے بارے میں بھی قرآن میں وارد ہوئی ہے :

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ (بنی اسراء یل : ۱۰۵)

"اور (اے نبی) ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔"

اسی طرح ہر نبی اپنی جگہ ہدایت و رہنمائی کا ایک روشن چراغ ہے' ہر نبی معلّم ہے' ہر نبی مربّی اور مزکّی ہے' ہر نبی داعی ہے' مبلّغ ہے اور مذکّر ہے۔ یہ ساری حیثیتیں جملہ انبیاءِ کرام میں مشترک ہیں۔ چنانچہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ میں بھی یہ تمام حیثیتیں جمع ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ہر حیثیت کے اعتبار سے بھی نبی اکرم ﷺ ایک امتیازی شان کے حامل ہیں ع "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است!" تاہم یہ وہ مشترک اوصاف اور حیثیتیں ہیں جو تمام انبیاء و رُسل کو حاصل تھیں۔ سورۃ الاحزاب کی یہ مشہور آیت سب کو یاد ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۴۵'۴۶)

"اے نبی! ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے شاہد (گواہ) بنا کر' مبشّر بنا کر اور مُنذر بنا کر (یعنی سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے بشارت دینے والا بنا کر اور فکری و عملی کج روی اختیار کرنے والوں کے لئے خبردار کرنے والا بنا کر) اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا کر۔"

یہ تمام حیثیتیں مشترک ہیں نبی اکرم ﷺ میں اور جملہ انبیاء و رُسل میں۔ جہاں تک اس بنیادی مقصدِ بعثت کا تعلق ہے اس کے ضمن میں قرآن حکیم کی سب سے جامع اصطلاح "شہادت علی النّاس" کی ہے۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۃ الحج کی آخری آیت کے درس میں "شہادت علی النّاس" کا موضوع تفصیل سے زیر بحث آیا تھا۔ اور وہیں یہ توجّہ

بھی دلائی گئی تھی کہ یہ مضمون ایک عکسی ترتیب کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی جوں کا توں موجود ہے : ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

اس آیۂ مبارکہ کے حوالے سے یہ بات بڑی وضاحت سے ہمارے سامنے آئی تھی کہ ختمِ نبوت و رسالت کے بعد "شہادت علی النّاس" کی ذمّہ داری اب اُمّتِ مُسلمہ کے کاندھے پر آ چکی ہے۔ اس کے لئے سعی و جُہد' اس کے لئے ایثار و قربانی' اس کے لئے اوقات اور صلاحیتیں کھپانا اور مال و جان کا لگانا' درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ ہے۔ یہ مقصدِ اوّلین ہے جہاد فی سبیل اللہ کا! ـــــ اور جہاں تک تعلق ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے مقصدِ بعثت کی امتیازی اور تکمیلی شان کا' اس کے اعتبار سے بھی ایک فرضِ منصبی اب تاقیامِ قیامت اُمّتِ مُسلمہ کے کاندھے پر ہے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل اب ایک ذمہ داری کے طور پر منتقل ہو چکی ہے آپؐ کے ماننے والوں پر' جو اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا حق دار سمجھتے اور آپؐ سے اپنی نسبت پر فخر کرتے ہیں۔ یقیناً آپؐ کی اُمّت میں سے ہونا مسلمانوں کے لئے موجبِ صد افتخار ہے' لیکن جہاں یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے وہاں اتنی ہی بڑی ذمے داری کا معاملہ بھی اس سے وابستہ ہے ع

"جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!"

اس پہلو سے سورۃ الصّف کی بڑی اہمیت ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کی امتیازی شان کیا ہے اور اس کے ضمن میں کیا عملی ذمہ داریاں ہیں جو آپؐ کے ماننے والوں پر' آپؐ کی اُمّت پر عائد ہوتی ہیں!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

نبوّت و رسالت اور اس کا مقصد

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم —— امّا بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۶۵)

ناظرین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا پہلا ربیع الاوّل شروع ہو چکا ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ کے ذکر جمیل پر مشتمل گفتگوؤں کا یہ سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں اس سے پہلے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے مختلف گوشوں کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں یہ سمجھیں کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت کیا تھا! ہمارا ایمان ہے کہ سیّدِ ولدِ آدم حضرت محمد ﷺ صرف ایک نبی ہی نہیں بلکہ "خاتم النبیّین" ہیں اور صرف ایک رسول ہی نہیں بلکہ "آخر المرسلین" ہیں' لٰہذا آپ ﷺ کا مقصد بعثت یقیناً وہ بھی ہے جو تمام انبیاء و رُسل کا بنیادی اور اساسی مقصد بعثت ہے' لیکن چونکہ آپ ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ صرف ختم ہی نہیں ہوا بلکہ تکمیل ہوا ہے' لٰہذا آپ ﷺ کے مقصد بعثت میں ایک تکمیلی اور اتمامی رنگ ہونا ضروری ہے' جو آپؐ کے لئے مابہ الامتیاز ہو اور تمام انبیاء اور رسولوں کی مقدس جماعت میں آپؐ کا منفرد مقام اور امتیازی مرتبہ واضح ہو جائے۔

اسلام کا پورا قصر ایمان کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور ایمان چند ایسے ماورائی حقائق کو ماننے کا نام ہے جن تک رسائی حواسِ ظاہری کے ذریعے ممکن نہیں' بلکہ ان تک رسائی کسی درجے میں صرف عقل اور وجدان کی قوتوں کو بروئے کار لا کر ہو سکتی ہے۔ اگر ان امور کو تین بڑے بڑے حصّوں میں جمع کیا جائے تو وہ ایمانیاتِ ثلاثہ کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ یعنی ایمان باللہ یا توحید' ایمان بالآخرت یا ایمان بالمعاد اور ایمان بالرسالت اور نبوت۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان تینوں کے مابین بڑا گہرا منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ تفصیلات کو چھوڑ کر اور فلسفیانہ و متکلمانہ موشگافیوں سے قطع نظر اگر سادہ الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ ایمان کیا ہے! تو سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ پوری کائنات' یہ پورا سلسلۂ کون و مکاں جو تاحدِ نگاہ ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے' جس کی وسعتوں کا تا حال انسان کوئی اندازہ نہیں' یہ نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گا۔ اصطلاحاً ہم یوں کہیں گے کہ یہ حادث ہے اور فانی ہے۔ البتہ ایک ہستی ہے' ایک ذات ہے' جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ ہستی بالکل تنہا ہے' اکیلی ہے' لاشریک اور یکتا ہے۔ اس کی ذات' اس کی صفات' اس کے حقوق و اختیارات سب حد درجہ لاثانی (unique) ہیں' جن میں کوئی کسی اعتبار سے نہ ساجھی ہے نہ شریک ہے۔ اس ہستی میں تمام محاسن و کمالات بتمام و کمال موجود ہیں۔ یہ ہستی ہے جسے ہم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ ہے اجمالاً ایمان باللہ یا توحید۔

اس ہستی نے اس کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس کی یہ تخلیق بے مقصد نہیں ہے' بے کار و عبث نہیں ہے' بلکہ بالحق (purposeful) ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی :

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰'۱۹۱)

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے'

ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار' یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ . . . ."

یہ تخلیق بالحق ہے اور اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی' یعنی ایک وقتِ معیّن تک کے لئے ہے۔ اسی خالقِ کائنات نے انسان کو تخلیق فرمایا اور انسان اس سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج ہے۔ یہی انسان اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائکہ بنا۔

اس انسان کی ایک زندگی تو وہ ہے جو وہ اس دُنیا میں بسر کرتا ہے' اس دُنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک کا وقفہ' لیکن یہی اس کی کل زندگی نہیں ہے' بلکہ انسانی زندگی ایک طویل عمل ہے۔ بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی!

یہ دُنیا کی زندگی تو درحقیقت اس کی کتابِ زندگی کے صرف دیباچے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی اصل کتابِ زندگی موت کے بعد کھلے گی۔ اس کی اُخروی زندگی ہی اصل زندگی ہے جو ابدی ہے' جو ہمیشہ کی زندگی ہے' جس میں دوام ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے :

﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ .

(العنکبوت : ۶۴)

"اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے"۔

انسانی زندگی کے اس طویل سفر میں موت صرف ایک وقفہ ہے۔ بقول شاعر ؎

موت اِک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر!

اس طرح زندگی دو حصّوں میں منقسم ہو گئی۔ تو اس سے جو دُنیوی زندگی کا حصّہ جداگانہ متشکل ہوا اس کا مقصد ہے ابتلاء اور امتحان۔ بفحوائے :

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۝ ﴾

(الملک : ۲)

"اُس نے موت اور حیات کا یہ سلسلہ اس لئے بنایا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں

سے کون ہے اچھے عمل کرنے والا"۔

اس حقیقت کو بھی علّامہ اقبال نے نہایت سادہ الفاظ میں ادا فرمایا ؎

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اس زندگی کے بعد ایک موت آنے والی ہے۔ اس موت کے بعد حشر و نشر ہے۔ جزا و سزا کے فیصلوں کا ایک دن ہے' جسے قرآن مجید "یوم الدّین" سے تعبیر فرماتا ہے۔ اس دن طے ہو گا کہ انسان اپنی حیاتِ دُنیوی میں اپنی سعی و جہد کے اعتبار سے ناکام رہا یا کامیاب قرار پایا۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اَبدی زندگی جنت میں بسر کرے گا یا جہنم کے شعلوں میں گزارے گا' جیسا کہ ایک خطبۂ نبوی میں الفاظ وارد ہوئے :

((وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))

"اور وہ (ابدی زندگی) جنت ہے ہمیشہ کے لئے یا آگ ہے دائمی"۔

اس ابدی زندگی میں یا رَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ وَّ جَنَّةُ نَعِیْمٍ کے مزے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ کا شدید عذاب اور اس کی سخت سزا ہے۔ ان تمام امور کو ماننے کا نام ایمان بالآخرۃ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ یا ایمان بالمعاد' ان دونوں کے ربط سے اسلام کے تصورِ زندگی کا ایک خاکہ مکمل ہوتا ہے۔ یہ گویا کہ مبدأ و معاد کا آئین ہے۔ اس کے بغیر انسان کا حال بے لنگر کے جہاز جیسا ہے جس کی کوئی سمتِ سفر متعین نہ ہو اور وہ موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ گویا ؎

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

لیکن اللہ اور آخرت کا یہ علم انسان کی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کا تعین کرتا ہے۔ انہی دونوں (ابتداء اور انتہاء) کو سمو دیا گیا ہے قرآن مجید کے ان حد درجہ جامع الفاظ میں :

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۶)

"ہم اللہ ہی کے ہیں (اسی کے پاس سے آئے ہیں) اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے"۔

اب یہاں ایک سوال فطری طور پر سامنے آتا ہے کہ امتحان لیا جاتا ہے کچھ سکھا کر' جانچا اور پرکھا جاتا ہے کچھ دے کر۔ تو یہ جو امتحان ہے جس سے انسان اس حیاتِ دُنیوی میں دوچار ہے' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کی اساس کیا ہے؟ اس کی جانچ اور پرکھ کس اصول پر ہوگی؟ اس سوال کا ایک جواب جو بنیادی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں اس ابتلاء و آزمائش کے لئے بھیجا ہے تو غیر مسلح نہیں بھیجا' بہت سی صلاحیتوں اور استعدادات سے مسلح کر کے بھیجا ہے۔ بڑی پیاری آیت ہے سورۃ الدھر کی :

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ۝ ﴾ (الدھر : ۲)

"ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں (اسے جانچیں' اسے پرکھیں)' چنانچہ اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے"۔

اسے سماعت اور بصارت کی استعدادات دے کر دُنیا میں بھیجا۔ مزید برآں اس میں تعقل و فکر کی صلاحیتیں رکھیں۔ اس میں نیکی اور بدی کی تمیز ودیعت کی۔ جیسے کہ فرمایا گیا :

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ ﴾

(الشمس : ۷'۸)

"اور قسم ہے نفسِ انسانی کی' اور جو اُسے بنایا اور سنوارا (اور اس کی نوک پلک درست کی)' اور اس میں نیکی اور بدی (خیر اور شر) کا علم الہامی طور پر ودیعت کر دیا"۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر مزید غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قلبِ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی ایک دھیمی سی آنچ رکھ دی ہے۔ ان تمام چیزوں سے مسلح ہو کر انسان اس دُنیا میں آیا ہے۔ لہٰذا اس کی اُخروی باز پرس اور اس کا جو حساب کتاب ہوگا آخرت میں اس کی بنیادی اساس تو یہی ہے۔ گویا کہ ہر انسان اللہ کے سامنے مسئول ہے' ذمہ دار ہے' جواب دہ ہے' responsible ہے اور accountable ہے' خواہ کوئی

نبی آئے ہوتے یا نہ آئے ہوتے' خواہ اور کوئی کتاب نازل ہوتی یا نازل نہ ہوئی ہوتی۔ ان فطری استعدادات کی بنیاد پر جو انسان کے اندر ودیعت شدہ ہیں' ہر انسان مکلّف ہے' مسئول ہے' ذمہ دار ہے' جواب دہ ہے۔ لیکن اس پر رحمتِ خداوندی کا ایک تقاضا اور ہوا۔ انسان کے اس امتحان میں مزید آسانی پیدا کرنے کے لئے اللہ نے انزالِ وحی' انزالِ کتب' بعثتِ انبیاء اور ارسالِ رُسل کا سلسلہ جاری فرمایا جو انسان کی اپنی بنیادی استعدادات کے لئے وہ سامان لے کر آئے جن سے ان کو جلا ہو' ذہول و غفلت کے پردے اٹھ جائیں' اگر آئینہ قلب پر کوئی زنگ آگیا ہے تو دُور ہو جائے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مزید رحمت ہے' مزید فضل ہے۔ گویا نبوت اس پہلو سے رحمت ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جو سمجھ لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں یہ رحمت بے پناہ وسعت پذیر ہو گئی ہے اور اس نے تمام جہانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ نبوت اصلاً رحمت ہے' لیکن محمدٌ رسول اللہ ﷺ رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ کی رحمت تمام جہانوں پر محیط ہو گئی۔

لیکن اسی کا ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رہے' وہ یہ کہ نبیوں کی آمد' رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کے بعد اب محاسبۂ اُخروی کے لئے گویا کہ انسان پر اتمامِ حجت ہو گیا۔ انسان کے پاس اب کوئی عذر نہ رہا' کوئی بہانہ وہ پیش نہ کر سکے گا کہ پروردگار! ہمیں معلوم نہ تھا کہ تو کیا چاہتا ہے' ہم نہیں جانتے تھے کہ تیری رضا کس میں ہے' ہمیں علم نہیں تھا کہ تو کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے! یہ عذر اگر کسی درجے میں قابل پذیرائی ہو سکتا تھا تو نبوت و رسالت کے بعد اب اس کا امکان قطعاً ختم ہو گیا۔ اس کو آپ قطع عذر سے تعبیر کریں یا اتمامِ حجت کا نام دیں۔ بعثتِ انبیاء اور ارسالِ رُسل سے ایمان بالآخرت کے ضمن میں انسان کی ذمہ داری اور اس کی مسئولیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ یہی ہے وہ بات جو اس آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہوئی تھی جسے آغازِ کلام میں تلاوت کیا گیا تھا :

﴿ رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۶۵)

یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بشارت دینے والے بنا کر اور خبردار کرنے والے بنا کر۔

اہلِ حق کے لئے' طالبینِ ہدایت کے لئے' صحیح راہ پر چلنے والوں کے لئے وہ مبشر ہیں' بشارت دینے والے ہیں کہ ان کے لئے جنّتِ نعیم میں نہایت روشن مستقبل منتظر ہے۔ اور اہلِ زیغ کے لئے' کج روی اختیار کرنے والوں کے لئے' گمراہی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے وہ خبردار کردینے والے' warn کردینے والے ہیں' تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابل' اللہ کے ہاں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے' رسولوں کے بعد وہ کوئی عذر نہ کر سکیں' محاسبۂ اُخروی کے وقت کوئی بہانے نہ بنا سکیں ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ اللہ زبردست ہے۔ وہ جس طرح چاہے حساب لے' اس کا اختیار مطلق ہے' کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں۔ لیکن وہ حکیم بھی ہے' اس نے اپنی اس بازپُرس کے لئے ایک نہایت حکمت بھرا نظام تجویز فرمایا ہے۔ اور یہی ہے وہ نظام جس کی اہم ترین کڑی ہے سلسلۂ نبوت و رسالت۔

فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○

- ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کونسی ہیں؟
- دعوت و تبلیغ اور غلبہ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامعہ کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصور

از : **ڈاکٹر اسرار احمد**' امیر تنظیم اسلامی

عمدہ کمپیوٹر کتابت' صفحات 40' قیمت : اشاعت خاص 10 روپے' اشاعت عام 6 روپے

شائع کردہ : **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن**
قرآن اکیڈمی 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲)

تاریخِ نبوّت

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ ﴾ (المؤمن : ۷۸)

از روئے قرآن حکیم صفحۂ ارضی پر قافلۂ انسانیت اور قافلۂ نبوت و رسالت نے ایک ساتھ سفر کا آغاز کیا۔ یعنی پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے پہلے نبی بھی تھے' اور آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے۔ اس کے بعد قافلۂ آدمیت اور قافلۂ نبوت و رسالت ساتھ ساتھ سفر جاری رکھتے رہے۔ ایک طرف مادی ارتقاء کا عمل جاری رہا' وسائل و ذرائع میں ترقی ہوتی چلی گئی' انسان کے مادی علوم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا تو ساتھ ساتھ ہدایت آسمانی' ہدایت خداوندی بھی ارتقائی مراحل طے کرتی چلی گئی۔ تا آنکہ نبوت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ میں اور بالآخر ختم ہو گئی اور اختتام کو پہنچ گئی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مقدس میں۔ اور رسالت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ میں اور پھر آپؐ ہی کی شخصیت میں وہ قیامت تک کے لئے قائم و دائم ہو گئی۔

اگرچہ ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں جان سکتے کہ اس دنیا میں کل کتنے رسول آئے' لیکن بطورِ اصول یہ بات قرآن مجید میں ایک سے زائد مرتبہ واضح کر دی گئی کہ انبیاء و رُسل صرف وہی نہیں ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے۔

چنانچہ آغاز میں سورۃ المؤمن کی جس آیت مبارکہ کے ابتدائی حصے کی تلاوت کی گئی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے :

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں' جن میں سے وہ

بھی ہیں جن کے حالات ہم نے آپ کو بتا دیئے اور ایسے بھی بہت سے رسول ہیں کہ جن کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے"۔

یہی مضمون سورۃ النساء میں بھی بیان ہوا ہے۔ بعض روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد سوا لاکھ ہے۔ ان میں سے جو رسول بھی تھے ان کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ نبوت و رسالت میں کیا فرق ہے! اور ان کے مابہ الامتیاز امور کون کون سے ہیں! ان میں محققین کے نزدیک کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ایک بات پر اجماع ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص، یعنی ہر رسول تو لازماً نبی بھی ہے، لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہوتا۔ خالص فنّی اصطلاحات اور ان کے مباحث سے ہٹ کر سادہ الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ایک ذاتی مرتبہ ہے اور رسالت ایک منصب ہے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں ایک cadre ہے سی ایس پی، لیکن پھر کسی C.S.P. کی تقرری (appointment) ہے۔ وہ کسی ضلع کا ڈپٹی کمشنر یا کسی وزارت میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ یہ اس کا منصب ہے۔ اسی طرح نبوت ایک ذاتی مرتبہ و مقام ہے اور رسالت ایک منصب ہے۔ جیسے کہ کسی رسول کو فائز کیا جاتا ہے متعین طور پر کسی شہر، یا ملک یا قوم کی طرف مبعوث فرما کر۔

قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کا بھی ذکر ہے اور بہت سے رسولوں کا بھی ذکر ہے۔ ان میں سے چھ رسولوں کا ذکر قرآن مجید بار بار کرتا ہے، اس اعتبار سے کہ جن قوموں کی طرف وہ بھیجے گئے انہوں نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور اس کی پاداش میں ان پر دنیا ہی میں عذابِ استیصال یعنی جڑ کاٹ دینے والا عذاب نازل کیا گیا اور ان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ بفحوائے آیت قرآنی ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ "پس کاٹ دی گئی اس قوم کی جس نے ظلم کیا"۔ یعنی رسول کا انکار کرنے والی قوم کی جڑ کاٹ دی گئی، اس کو نسیاً منسیاً کر دیا گیا، جیسے کہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہو کہ اس کو آگ لگا کر ختم کر دیا جائے۔

یہ رسول جن کا ذکر بار بار آیا ہے سورۃ الاعراف میں، سورۃ یونس میں، سورۃ ہود میں، سورۃ الشوریٰ میں، سورۃ المؤمنون میں، اور بھی متعدد سورتوں میں، یہ ہیں حضرت نوح،

حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو ان میں بڑی عجیب تقسیم یہ نظر آتی ہے کہ تین رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ماقبل سے تعلق رکھتے ہیں اور تین کو زمانہ مابعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر ہیں، لیکن چونکہ ان کے بھتیجے ہیں، ان سے چھوٹے ہیں، لہٰذا اس تقسیم میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے بعد شمار کیا جاسکتا ہے۔ گویا کہ انبیاء اور رُسل کی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ایک مرکزی شخصیت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ ان کی تین نسبتیں ہیں اور تینوں نہایت بلند ہیں۔ ایک جانب وہ خلیل اللہ ہیں، دوسری طرف وہ ابوالانبیاء ہیں، ان کی نسل سے سینکڑوں انبیاء اور رسول اٹھے یہاں تک کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کی نسل سے ہیں، پھر قرآن مجید امَامَةُ النَّاس کا منصب بھی ان کے لئے قرار دیتا ہے۔ فرمایا گیا:

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴)

"اور جس وقت آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں (آزمائشوں) کے ساتھ، پس اس نے ان سب کو پورا کیا۔ (اللہ نے) فرمایا (اے ابراہیم) تحقیق میں تجھ کو سب لوگوں کا امام بنانے والا ہوں"۔

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، ابوالانبیاء ہیں اور امام الناس ہیں۔ یہ تینوں نسبتیں نہایت عظیم ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مرتبۂ نبوت کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تشریف لانے والے جن تین رسولوں کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے ان کے حالات کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ضمن میں صرف ایک ہی جرم کا ذکر ملتا ہے، ان قوموں کی ایک ہی گمراہی ہے جس پر انہوں نے نکیر کی، جس پر انہوں نے روک ٹوک کی، جس سے باز آنے کی انہوں نے دعوت دی، اور وہ شرک کا جرم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور تمدنی، سماجی یا کسی اور طرح کی بے راہ روی کا ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قومِ نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح کے زمانے تک ابھی انسانی تمدن اپنے ابتدائی مراحل (stages) میں تھا جس میں گمراہی بس ایک شرک ہی کی صورت میں موجود

تھی۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی اور اس کے متعلقات اور دوسرے پہلو ابھی کسی نہ کسی حد تک فطرت کے قریب تر واقع ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی دعوت میں ایک ہی نقطۂ نظر آتا ہے:

﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾

"اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو (صرف اللہ کی پرستش کرو، اس کی بندگی اور پرستش میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس لئے کہ حقیقتاً) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جن تین رسولوں کا ذکر آتا ہے ان کی قوموں میں ہمیں نظر آتا ہے کہ تہذیب و تمدن اور انسان کی حیاتِ اجتماعی کے مختلف گوشوں میں گمراہی کی وہ صورتیں ظاہر ہوئیں جو اگرچہ اسی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں، یعنی شرک ہی کے یہ نتائج اور لوازم ہیں، لیکن یہ کہ بالفعل ان کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے بعد ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں ہمیں جنسی بے راہ روی (Sexual perversion) نظر آتی ہے جو سماج کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی چیز ہے۔ اس لئے کہ انسان کی معاشرت، اس کا معاشرتی نظام در حقیقت عورت اور مرد کے تعلقات کے صحیح بنیادوں پر استوار ہونے سے ہی برقرار رہ سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قرآن جو ذکر کرتا ہے تو اس میں ان کے ہاں معاشی بے راہ روی نظر آتی ہے۔ اس قوم میں ناپ تول میں کمی ہونے لگی، دھوکہ فریب شروع ہو گیا، لوگوں کے مال ناجائز طور پر ہڑپ کئے جانے لگے، رہزنی ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قرآن مجید میں بیان ہوتی ہے تو اس میں نہایت نمایاں پہلو یہ ہے کہ لوگو! ایک اللہ کی بندگی اور اس کی پرستش کرو اور لوگوں کے اموال پر ڈاکہ زنی نہ کرو، ان کے حقوق نہ مارو، ناپنے میں اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

﴿ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ... ﴾ (ھود : ۸۵)

"اور میری قوم کے لوگو! پورا کرو ماپ کو اور تول کو انصاف کے ساتھ، اور کمی نہ

کرو لوگوں کی چیزوں میں . . . ."

اس سے آگے بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جا رہا ہے آلِ فرعون کی طرف۔ اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی جبر و استبداد کی ایک بہت نمایاں مثال سامنے آتی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم پر اس طرح مسلط ہو گئی ہے کہ اس نے اس کو بالفعل اپنا غلام بنا کر رکھ لیا ہے۔ ان سے بالجبر کام لیا جا رہا ہے' ان پر اس درجہ ظلم روا رکھا جا رہا ہے کہ ان کی اولاد نرینہ ہلاک کر دی جاتی ہے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھ لیا جاتا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سامنے آتے ہیں اور اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں ﴿ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ ﴾ "بنی اسرائیل کو (جسے تم نے جبر اور ظلم کے شکنجے میں کسا ہوا ہے) ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔"

یہ تین رسول جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دنیا میں' خاص طور پر دنیا کے اس خطے میں آئے جو کہ عرب کے آس پاس تھا' جس کی تاریخ سے اہل عرب واقف تھے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو رہی ہے' ان کے حالات میں گویا کہ انسانی اجتماعیت جس جس پہلو سے فساد کا شکار ہو سکتی ہے ان کی نشاندہی کر دی گئی۔ اس کے بعد ایک اُمّت کی تاریخ شروع ہوتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔ بنی اسرائیل کی حیثیت ایک اُمّتِ مُسلمہ کی ہے جو کتابِ الٰہی کی حامل' شریعتِ خداوندی کی امین تھی' جس نے اللہ کے ساتھ ایک عہد و میثاق کیا تھا۔ اس کی تاریخ قرآن مجید بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں پے بہ پے انبیاء آتے رہے اور ایک مصلح کی حیثیت سے ان میں ایک تجدیدی کارنامہ سرانجام دیتے رہے۔ جب کبھی ان کے اندر ایمانی جذبات سرد پڑنے شروع ہوئے' یا ان کے اعمال و اخلاق کے اندر کجی راہ پانے لگی' اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت نے انہیں سہارا دیا۔ اس سلسلۂ انبیاءِ بنی اسرائیل کے خاتم ہیں حضرت مسیح علیہ السلام۔ اس سلسلے کے آخری رسول' جو گویا کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری حجت بن کر سامنے آئے۔ اور ان کے بعد چھ سو برس کا عرصہ فترتِ اولیٰ کا زمانہ کہلاتا ہے جو تمہید ہے دراصل ختمِ نبوت اور اتمامِ رسالت کی۔ یہ چھ سو سال تاریخ انسانی میں اس اعتبار سے گویا پہلی مرتبہ ایک وقفہ ہے کہ

جس کے دوران پورے کرۂ ارضی پر کوئی رسول اور نبی نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اب نبوّتِ محمدی ﷺ کا خورشیدِ ہدایت طلوع ہوا' جن پر نبوت ختم اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔ اس فترتِ اولیٰ کا عرصہ لگ بھگ ۵۷۱ برس ہے' اس لئے کہ آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت سن عیسوی کے حساب سے ۵۷۱ء میں ہوئی اور آپ پر آغازِ وحی ۶۱۰ء میں ہوا۔ اس طرح یہ چھ سو سال ہیں جن کے دوران یہ فترتِ اُولیٰ ہمیں نظر آتی ہے جو تمہید ہے' مستقل فترت کی جس میں نبی اکرم ﷺ پر نبوت اور رسالت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ آنحضور ﷺ پر نبوت صرف ختم ہی نہیں ہوئی ہے بلکہ مکمل بھی ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ختمِ نبوت پر تو ہمارے ہاں کافی زور ہے' اپنی جگہ یہ ایک واقعہ ہے حقیقت ہے اور اس کی ایک قانونی اہمیت بھی ہے' جس کی وجہ سے یہ مسئلہ زیادہ نمایاں ہوا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو آنحضور ﷺ کی فضیلت کی بنیاد ختمِ نبوت نہیں' بلکہ تکمیلِ نبوت و رسالت ہے۔ ذرا وہ آیۂ مبارکہ ملاحظہ کیجئے جو سورۃ المائدۃ میں ہے :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ﴾ (المائدۃ : ۳)

"آج مَیں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے' اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے' اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے"۔

اس پر یہودیوں نے بجا طور پر بصد حسرت مسلمانوں سے کہا تھا کہ اے مسلمانو! یہ عظیم آیت جو تمہیں عطا ہوئی ہے اگر کہیں ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو اپنی سالانہ عید بنا لیتے۔

یہ ہے وہ مقام کہ جہاں نبی اکرم ﷺ رسول کامل کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں' جن پر رسالت صرف ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ مکمل ہو گئی ہے' جن پر نبوت کا صرف اختتام ہی نہیں ہوا بلکہ اتمام ہوا ہے۔ اس اتمامِ نبوت اور اکمالِ رسالت کے مظہر کیا ہیں! ان پر ان شاء اللہ بعد میں گفتگو ہو گی۔

فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○

فلسفۂ قربانی اور مذاہبِ عالم

پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف ہزاروی ☆

قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تصور نوعِ انسانی کے آغاز سے ہی پایا جاتا ہے۔ اس عبادت سے اپنی عزیز جان قربان کرنے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس قربانی کا ذکر بڑے پیارے انداز میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم انسان کو گوناگوں خوبیوں اور مافوق الفطرت توانائیوں سے نوازا ہے۔ عبادات میں انسان ہر قسم کا کام چھوڑ کر خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے۔ قربانی میں انسان اپنی جان کے بدلے ایک جانور ذبح کرتا ہے' یوں جانی قربانی پیش کرتا ہے۔ جسمانی اور روحانی قربانی کے مخصوص جذبات اور احساسات قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ اس طرح قربانی صرف مالی صدقہ ہی نہیں' بلکہ اس میں روحِ ایمانی' اطاعت و پیروی اور جذبۂ محبت نہ ہو تو یہ سارا عمل بے کیف ہو جاتا ہے۔ قربانی اپنی اصل نوعیت کے لحاظ سے جان کی قربانی ہے جو ربِ کائنات کی خوشنودی اور رضا کی خاطر ادا کی جاتی ہے' جس سے ایک طرف اطاعتِ باری تعالیٰ کا تصور پیدا ہوتا ہے تو دوسری جانب اس عمل سے انسان کی زندگی میں اسلامی مقاصد کی تکمیل اور جان و مال کی قربانی دینے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔

قربانی کا لفظ قربان (بروزن سلطان) سے ماخوذ ہے۔ قربان کا لفظ ارامی زبان میں بھی موجود ہے۔ عربی زبان میں قربان سے مراد وہ چیز ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل کیا جائے۔ بقول ابو السعود :

القربان اسم لما یتقرب به الی اللّٰه تعالٰی من نسک او صدقة [1]

"قربانی ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے' چاہے وہ ذبیحہ ہو یا صدقہ وغیرہ"۔

☆ صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ شالیمار کالج لاہور

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے المفردات میں بھی یہی معنی لکھے ہیں (۲)

احکام القرآن للجصاص الحنفی میں ہر نیک کام، جس کا مقصد قرب الٰہی ہو، اسے قربان کہا گیا ہے :

"والقربان ما یقصد به القرب من رحمة الله تعالٰی من اعمال البر" (۳)

"قربان ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا مقصد اللہ کی رحمت سے قرب حاصل کرنا ہو۔"

لیکن عام بول چال میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو عموی طور پر ذہن فوراً جانور کے ذبح کرنے کی طرف جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں قربانی کے لغوی معنی کی رعایت کرتے ہوئے عام معنی مُراد لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دائرہ معارف القرآن میں فرید وجدی رقم طراز ہے :

والقربان فی الاصطلاح الدینی هو ما یبدله الانسان من الاشیاء والحیوانات قاصداً به التقرب الی اللّٰه (۴)

یعنی اللہ کا تقرب جس چیز کے ذریعے حاصل کیا جائے اسے قربان کہتے ہیں، چاہے وہ جانور ہو یا کچھ اور۔

قرآن کریم میں قربانی اور متعلقاتِ قربانی کا مضمون سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ حج، سورۂ صف، سورۂ فتح اور سورۂ کوثر (آٹھ سورتوں) میں مذکور ہوا ہے، جبکہ اس کے لئے سات الفاظ استعمال ہوئے ہیں : ذبح، نحر، قربان، نسک، منسک، بدن اور ھدی۔ لفظ قربان تین جگہ استعمال ہوا ہے :

ا) ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴾ (آل عمران : ۱۸۳)

ب) ﴿ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا ﴾ (المائدة : ۲۷)

ج) ﴿ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ﴾ (الاحقاف : ۲۸)

قربانی کے لئے ایک اور لفظ "الاضحیہ" بھی ہے، جو قرآن کریم میں تو مذکور نہیں البتہ احادیث مبارکہ میں یہ لفظ بکثرت موجود ہے۔ اس لفظ کے حوالے سے ملا علی قاری علامہ طیبی سے نقل کرتے ہیں :

الاضحیة ما یذبح یوم النحر علی وجه التقربة

"اضحیہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو یوم النحر (ذی الحج کی دسویں تاریخ) کو بطور عبادت ذبح کیا جائے۔"

تاریخ قربانی اور مذاہب عالم

قربانی اسلامی تعلیمات کے مطابق ان شعائر میں سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جاری ہے۔ مختلف انداز سے قربانی کرنے کا رواج تمام سامی اور غیر سامی ادیان میں پایا جاتا ہے۔ قدیم مصری مذہب میں تین قسم کی قربانی کا ذکر ملتا ہے' ایک قربانی دیوتاؤں کے لئے کی جاتی' دوسری قربانی کا مقصد متوفین کو فائدہ پہنچانا' جبکہ تیسری قربانی کا مقصد مُردوں کو فائدہ دینا ہوتا تھا۔

قدیم امریکی اقوام کے ہاں بھی قربانی کا عجیب و غریب تصور ملتا ہے۔ میکسیکو میں قربانی کیلئے انسانوں کو ذبح کیا جاتا تھا' جبکہ جانوروں کی قربانی کی دو صورتیں تھیں' ایک آتشیں اور دوسری خونی قربانی۔ اس کے علاوہ پھل اور مشروبات کی نذر کا تصور بھی پایا جاتا تھا۔ افریقہ کے دھومی قبیلہ میں انسانی قربانی کو مذہب کا ایک اہم جزو سمجھا جاتا تھا۔ آسٹریلیا کے ملحق جزائر میں انسان کی قربانی کا رواج تھا۔ مطلب برآری کیلئے خدا کے شکم کو سیر کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس کیلئے موزوں ترین انسان کا گوشت اور خون سمجھا جاتا۔

قدیم ایشیائی اقوام کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناگپور کے مقامات چند اور لنجی میں غروبِ آفتاب کے بعد قربانی کے لئے انسان کو کالی ماتا کے مندر میں بند کر دیا جاتا اور اس وقت دروازہ کھولا جاتا جب وہ مُردہ حالت میں ملتا۔ دوسرے قبیلوں کے آدمی خرید کر قربان کرنے کا بھی تصور تھا' جبکہ جانوروں اور پودوں کو بھی قربان کرتے تھے۔ آریاء مذہب کے مطابق انسان اور گھوڑوں کی قربانی کی جاتی۔ ان کی مذہبی کتاب "یجروید" کا موضوع ہی قربانی ہے۔ کنفیوشس ازم کے مطابق مُردوں کی قربانی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اہل چین کے ہاں عبادت کا زیادہ تر تصور قربانی ہی ہے۔ اس کا مقصد کبھی اعلیٰ ذات سے تعلقات کی استواری اور کبھی ارواحِ خبیثہ سے نجات

حاصل کرنا ہوتا۔ مریض کو موت کے منہ سے بچانے کے لئے بھی قربانی دی جاتی۔ پہلے ان کے ہاں انسانی قربانی کا تصور تھا' آہستہ آہستہ جانور کی قربانی شروع ہو گئی۔ ہندوازم میں بھی پہلے انسان کو قربان کیا جاتا' بعد میں بدھ اور جین مت کے اثرات کے باعث کمی ہوئی' پھر بالکل متروک ہو گئی۔ کیلٹی مذہب میں جرائم پیشہ لوگوں کو قربانی کی بھینٹ چڑھانے کا تصور ملتا ہے۔

تورات' انجیل اور بائبل کی دیگر تمام کتب میں مختلف قربانیوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ قدیم شریعتوں کے مطابق قربانی کے گوشت کو کھلے میدان میں رکھ دیا جاتا اور آسمان سے آنے والی بجلی اسے جلا دیتی تھی۔ سورۂ حج میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ ہر قوم و شریعت میں قربانی کا تصور تھا :

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ﴾ (الحج : ۳۴)

"اور ہر اُمت کے واسطے ہم نے قربانی مقرر کر دی ہے کہ یاد کریں اللہ کا نام چوپایوں کے ذبح پر جو ان کو اللہ نے دیئے"۔

تورات کی کتاب پیدائش' خروج اور اخبار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ہاں قربانی کو ہی اولیت حاصل تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا قربانی کا جھگڑا کتابِ پیدائش میں تفصیلاً مذکور ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی متعدد قربانیوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا مقصد تورات کے مطابق صرف اور صرف قربانیاں کرنا نظر آتا ہے۔ متعدد مقامات پر آپؑ نے قربانیاں کیں اور قربان گاہیں بنائیں۔ اسی طرح حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کے تذکرے میں کئی قربانیوں کا ذکر کتاب پیدائش میں موجود ہے۔ چنانچہ شریعت موسوی میں تورات کے مطابق یوں لگتا ہے کہ قربانی سے بڑھ کر کسی اور عبادت کی اہمیت نہ تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود کو دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے جواب دیا :

﴿ .... اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَنْ لَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ

النَّارُ ﴾ (آل عمران : ۱۸۳)

"بے شک اللہ نے ہمیں کہہ رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے"۔

اگرچہ قرآن کریم نے یہود کے اس سفید جھوٹ کی تردید کر دی' لیکن اس بات سے ان کے مذہب میں قربانی کی اہمیت کا ضرور پتہ چلتا ہے۔ یہودی اپنے اہل و عیال کی عافیت و سلامتی کیلئے قربانی کرتے تھے۔ قربانی کا یہ تصور یہودی اور غیر یہودی مذاہب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قربانی کا طریقہ مختلف اقوام میں خواہ کتنا ہی غلط ہو اس کا رواج تقریباً عام رہا ہے۔ عیسائیت نے اسے ختم نہ کیا' تھوڑے سے تغیر و تبدل سے اسے جاری رکھا۔

قربانی : قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ارشادِ ربّانی ہے :

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾

(الانعام : ۱۶۳)

"آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے"۔

تفسیر ابن جریر میں اس آیت مبارکہ کے ضمن میں حضرت قتادہ' ضحاک اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہم کے اقوال لکھے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں نسک سے مُراد قربانی ہے۔ (۵) امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ سے وجوب قربانی پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

واما قرن النسک الی الصلٰوۃ دل علٰی ان المُراد صلٰوۃ العید والاضحیۃ وھذا یدل علٰی وجوب الاضحیۃ لقولہ تعالی وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ والامر یقتضی الوجوب (۶)

"جب اللہ تعالیٰ نے نسک کو صلوٰۃ کے ساتھ متصل ذکر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صلوٰۃ عید اور قربانی مُراد ہے۔ اس سے قربانی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اس کے بعد آیت کے اِن الفاظ ﴿ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ ﴾ (اور اس کا مجھے حکم

دیا گیا) سے وجوب ثابت ہوتا ہے"۔

سورۂ کوثر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ﴾ (الکوثر : ۲)

"اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر"۔

"نحر" کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن جمہور مفسرین نے اس آیت میں نحر کو قربانی پر محمول کیا ہے۔ المفردات فی غریب القرآن میں لکھا ہے :

وَقولُهُ ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ حث على مراعاة هذين الركعتين وهما الصلٰوة والنحر الهدى فانه لا بد من تعاطيهما فذٰلك واجب فى كل دين وفى كل ملة (۷)

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ میں نماز اور قربانی پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے اور یہ ہر دین اور ہر ملت میں واجب رہی ہے"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول :

وفى قوله وَانْحَرْ قولان : الاول وهو عامة المفسرين ان المُراد هو نحر البُدن (۸)

"وَانْحَرْ میں دو قول ہیں : پہلا قول جسے عام مفسرین نے اختیار کیا کہ یہاں اونٹ کی قربانی مُراد ہے"۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی یہی معنی مُراد لئے ہیں (۹)۔ اس کے علاوہ ابو بکر جصاصؒ اور محمود آلوسیؒ کے علاوہ متعدد مفسرین کا یہی نقطۂ نظر ہے کہ یہاں قربانی کا عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ ان تفصیلات کے علاوہ احادیث معتبرہ و مستندہ سے بھی ثابت ہے کہ قربانی کا حکم اسلام میں صرف حجاج کے لئے نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔

عن البراء قال خطبنا النبى صلى اللّٰه عليه وسلّم يوم النحر فقال :

((ان اول ما نبدا به فى يومنا هذا ان نصلى ثم نرجع فننحر، فمن فعل ذٰلك فقد اصاب سنتنا، ومن ذبح قبل ان نصلى فانما هو لحم عجله لا هله ليس من النسك فى شىء)) (۱۰)

"حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سب سے پہلے اس دن ہم جو کام کریں وہ یہ کہ نماز پڑھیں' پھر واپس گھر جا کر قربانی کریں۔ جس نے اس طریقہ کو اپنایا ہماری سُنّت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی وہ قربانی نہیں' بلکہ محض گوشت ہے جسے گھر والوں کے لئے جلدی ذبح کر لیا گیا ہو' اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں"۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ :

((من ذبح قبل الصلٰوة فليعد مكانها اخرىٰ)) (۱۱)

"جس نے نماز سے پہلے ذبح کر ڈالا تو وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے"۔

عن عقبة بن عامر رضى الله عنه قال : قسم النبى صلى الله عليه وسلم بين اصحابه ضحايا فصارت لعقبة جذعة' فقلتُ يا رسول الله ﷺ صارت لى جذعة قال : ((ضَحِّ بها)) (۱۲)

"عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے مابین قربانی کے جانور تقسیم کئے تو عقبہؓ کے لئے ایک بچہ باقی رہ گیا۔ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میرے لئے تو ایک بچہ باقی رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اسی کی قربانی کر لو!"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

((كان النبى صلى الله عليه وسلم يذبح وينحر بالمصلى)) (۱۳)

"رسول اللہ ﷺ عید گاہ میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

((ما عمل ابن ادم من عمل يوم النحر احب الى الله من اهراق الدم)) (۱۴)

"اولاد آدم کے لئے عید کے دن کوئی ایسا عمل نہیں جو خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی) سے زیادہ پسندیدہ ہو"۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں قربانی کرتے رہے۔ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں غزوہ بنی قینقاع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا' دوسری ہجری کی بات ہے۔

ثم انصرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وحضر الاضحٰی وخرج الی المصلٰی فصلی بالمسلمین وھو اول صلٰوۃ عید صلاھا وضحٰی فیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بشاتین وقیل بشاۃ وکان اول اضحٰی راہ المسلمون وضحٰی معہ ذوالیسار (۱۵)

"پھر رسول اللہ ﷺ (غزوۂ بنی قینقاع سے) واپس ہوئے اور قربانی کا زمانہ بھی آ گیا۔ آپؐ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو نماز (عید) پڑھائی۔ اور یہ عید کی پہلی نماز تھی جو پڑھی گئی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک روایت کے مطابق دو بکریوں اور دوسری روایت کے مطابق ایک بکری کی قربانی دی۔ یہ سب سے پہلی قربانی تھی جسے مسلمانوں نے دیکھا اور آپؐ کے ساتھ دیگر مال دار لوگوں نے بھی قربانی دی"۔

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے :

وصلی العید یوم الاضحٰی وامر بالاضحیۃ واقام بالمدینۃ عشر سنین یضحی کل عام (۱۶)

"اور یوم الاضحیٰ کے دن عید کی نماز پڑھی اور قربانی کا حکم دیا۔ آپؐ دس سال مدینہ میں رہے اور ہر سال قربانی بھی کرتے رہے"۔

قربانی کی مشروعیت پر پوری اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے' البتہ اس کے واجب یا سنّت ہونے میں ائمہ کا اختلاف ضرور موجود ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور اکثر فقہائے احناف نے' باوجود امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی مختلف روایتوں کے واجب قرار دیا ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سنّت مؤکدہ ہے۔ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک قربانی کی مشروعیت اور ایک مستقل عبادت ہونے پر پوری اُمت کا اجماع رہا ہے۔ مندرجہ بالا احادیث اور مفسرین کے اقوال سے ان تمام لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا رد ہوتا ہے جو قربانی کو محض حرم تک مخصوص یا اس کو محض مال کا ضیاع قرار دیتے ہیں۔ معترضین ایک بھی قرآنی آیت پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مکّۃ المکرمہ سے باہر قربانی کی ممانعت کر دی گئی ہے' اور جو لوگ ﴿ لَنْ

يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا.... ﴾ (الحج : ۳۷) "اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا" سے قربانی کی تردید بیان کرتے ہیں' وہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی ذی شعور بھی اس دلیل کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگا' بلکہ ہر انسان جانتا ہے کہ اس میں فلسفۂ قربانی کو بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کا مقصد اعمالِ صالحہ اور تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

فلسفۂ قربانی

قربانی کا رواج یوں تو تمام مذاہب و اقوام میں شروع سے چلا آ رہا ہے' مگر قربانی کے مقاصد جدا جدا ہیں۔ اسلام ایک دین فطرت ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو قربانی کا ایسا ارفع و اعلیٰ تصور دیا ہے جس کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسلام نے انسان کو عزت و وقار اور تکریم عطا کی اور اسے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا اور عید الاضحیٰ کے حوالے سے جانور کی قربانی کا حکم دے کر اس کے اندر جذبہ جہاد کو اس انداز سے اجاگر کیا ہے کہ مردِ مؤمن ہر وقت اپنی جان کا نذرانہ دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی فلسفۂ زندگی دیگر ادیان سے بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا :

مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيْ؟ قَالَ : ((سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ)) (۱۷)

"یہ قربانیاں کیا ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنّت ہے"۔

اس مختصر جملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سارے پس منظر اور فلسفے کو بیان کر دیا جو قربانی اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے فلسفۂ قربانی کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ؎

پسرِ خلیل کی سیکھ ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو
کہ چھری رکے تو رکے مگر نہ سرکنے پائے ترا گلا

پیش نظر یہ نہ ہو کہ جانور ذبح کر رہا ہوں' بلکہ یہ کہ سنّتِ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ادا کر رہا ہوں۔ اپنے اندر وہی جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرنا مقصود ہے جو اُن کے اندر تھا کہ کسی عزیز سے عزیز ترین چیز کو بھی رب کی بارگاہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

قربانی کی اصل روح مخلصانہ جذبہ کے تحت تعمیل حکم ہے۔ یہ جذبہ جس قدر صادق' پُرخلوص اور ذاتی اغراض و مقاصد سے پاک ہوگا قربانی کی شان اسی قدر بلند ہوگی۔ قرآن کریم نے فرمایا :

﴿ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۰۳)

"جب وہ دونوں تعمیل کے لئے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا"۔

قربانی کے پس منظر میں اسی تسلیم و رضا کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

مسلمان ہر سال عشق خلیل کی پیروی میں جانور ذبح کرتے ہیں تو درحقیقت یہ ایک عہد ہے جو وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں کہ جانور کی گردن پر چھری رکھتے وقت زبان پر وہی کلمات جاری ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا بھر کے رشتوں اور بندھنوں سے کٹ کر خدائے وحدہٗ لاشریک ہی کے ہو جانے کا اعلان کرتے ہوئے فرمائے کہ :

﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

"یقیناً میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت پروردگارِ عالم کے لئے ہے"۔

قربانی کا فلسفہ اسوۂ ابراہیمی کو اپناتے ہوئے مسلمانوں کو خالق کے حکم پر سر جھکانے کا سبق دیتا ہے۔ جانور کی قربانی محض ایک علامت ہے' اصل مقصد و محور تقویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور ربّ اس کا اجر بے مثل عطا کرتا ہے۔ تورات کی کتاب پیدائش میں ابراہیم علیہ السلام کو ربّ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بشارتِ اجر دی :

"خداوند فرماتا ہے کہ چونکہ تو نے یہ کام کیا' اپنے بیٹے کو بھی' جو تیرا اکلوتا ہے' دریغ نہ رکھا اس لئے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے ہوئے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کناروں کی ریت کی مانند کروں گا"۔ (۱۸)

جس طرح قربانی کا جانور عام ہے' لیکن قربانی کے نام سے منسوب ہونے پر خاص ہو جاتا ہے اسی طرح انسان بھی عام آدمی ہے لیکن جب اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کیلئے ضروری ہے کہ ربّ تعالیٰ کے راستہ پر خود چلے اور دوسروں کو

چلائے۔ صد افسوس! آج ہم نے قربانی کی اصل روح کو ختم کر ڈالا ہے اور اسے محض ایک رسم کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ ہر سال کروڑوں قربانیاں دی جاتی ہیں' لیکن اصل روح مفقود ہو چکی ہے۔ کاش ہم اسلام' دینِ مصطفیٰ ﷺ' ناموسِ رسالتؐ اور ملک و ملت کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے کبھی گریز نہ کریں۔ یہی عید قربان کی قربانی کی سب سے بڑی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے۔ بقول شاعر ؎

جان دی ' دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

حواشی

(۱) ابوالسعود' تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم' المطبعہ المصریہ ۱۳۴۷ھ۔ ج۲' ص۲۰

(۲) راغب اصفہانی امام' المفردات' کراچی اصح المطابع ۱۳۸۰ھ' ص۴۰۸

(۳) الجصاص ابوبکر امام' احکام القرآن' المطبعۃ البہیۃ المصریۃ۔ ۱۳۴۷ھ۔ ج۲' ص۳۸۷

(۴) محمد فرید وجدی' دائرہ معارف القرآن' مطبعۃ دائرۃ معارف القرن العشرین بمصر' ۷/۳۶۷

(۵) ابن جریر' طبری' المطبعۃ المیمنۃ مصر' ج۸' ص۷۶

(۶) الجصاص' احکام القرآن ج۳' ص۳۴

(۷) راغب اصفہانی' المفردات' ص۵۰۳

(۸) رازی امام' تفسیر کبیر' المطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ ج۴' ص۱۷۶

(۹) ابن کثیر' تفسیر القرآن العظیم' دار احیاء کتب العربیۃ مصر' ج۴' ص۵۵۹

(۱۰) متفق علیہ' محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء' ۲/۸۳۴

(۱۱) متفق علیہ' صحیح البخاری' اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء۔ ج۲' ص۸۳۴

(۱۲) متفق علیہ' صحیح البخاری' اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء۔ ج۲' ص۸۳۴

(۱۳) متفق علیہ' صحیح البخاری' اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء۔ ج۲' ص۸۳۳

(۱۴) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی' جامع الترمذی' ج۱' ص۲۷۶

(۱۵) ابن اثیر الجزری' تاریخ الکامل' ج۲' ص۵۲

(۱۶) ابن سعد' الطبقات الکبریٰ' مطبعۃ التفاعۃ الاسلامیۃ بالقاہرۃ ۱۳۵۸ھ' ج۲' ص۱۳

(۱۷) ابن ماجہ' بحوالہ ابن کثیر تفسیر' ج۳' ص۲۲۱

(۱۸) کتابِ پیدائش ۲۲:۱۶' ۱۷

پاکستان میں نصاب سازی

تحریر : پروفیسر عبداللہ شاہین

مملکتِ خداداد پاکستان کے قیام کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ اس خطۂ ارضی پر رہنے اور بسنے والوں اور اللہ کی رضا کے لئے گھربار چھوڑ کر آنے والوں (یعنی انصار و مہاجرین) کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں کے نصابِ تعلیم کو نظریۂ پاکستان (پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ) سے ہم آہنگ کیا جاتا اور اسے انگریزی کلچر، ہندوانہ نظریات اور گمراہ کن خیالات کی چھاپ سے آزاد کرایا جاتا، مگر یہ امر ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ پاکستان بن جانے کے کئی سال بعد بلکہ وجودِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منا لینے کے باوجود بھی ہمارا نصابِ تعلیم اسلام اور نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ نہ ہو سکا۔

چنانچہ جب کبھی پرائمری، ثانوی اور دیگر جماعتوں کی درسی کتابوں میں بے اعتدالیوں اور بوالعجبیوں پر مبنی مواد کو شاملِ نصاب دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اپنے نونہالوں کے شفاف اور کورے ذہنوں پر ایسی باتیں اور نظریات کندہ کر رہے ہیں جن کے ڈانڈے تاریخ میں اسلام کی مخالف طاقتوں اور نظریات سے جا ملتے ہیں۔ شاید اسی لئے ہماری نوجوان نسل لادینیت یا اسلام کے خود ساختہ تصور کی حامل بن رہی ہے۔

مثال کے طور پر جماعت چہارم کی اردو کی کتاب کا مطالعہ کیجئے! اس میں ایک نظم "میں کیا بنوں گا؟" کے عنوان سے رقم قرطاس ہے، جس میں شاعر نے بچوں کی تربیت، نشوونما اور ذہن سازی و کردار سازی کے لئے یوں خامہ فرسائی کی ہے ؎

میں طاقت میں رستم سے بہتر بنوں گا
بہادر بنوں گا، دلاور بنوں گا
میں پڑھ لکھ کے اوروں کا رہبر بنوں گا
ارسطو بنوں گا، سکندر بنوں گا

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی نئی پود کو بچپن ہی سے یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ "رستم" کی شخصیت بہادری کا بے مثال اور یکتا و تنہا نمونہ تھی۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کا سپہ سالار اور مذہباً آتش پرست تھا' جسے پیغمبر اسلام ﷺ کے ایک صحابی اور سپوتِ اسلام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے شکست فاش دی تھی۔ نیز تاریخ اسلام میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح' حضرت عمر' حضرت خالد بن ولید' حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دیگر بے شمار شجاع ترین ہستیاں گزر چکی ہیں جن کی بہادری کو ہم اپنے بچوں کے لئے بہترین نمونہ بنا سکتے ہیں' جس سے بچوں کے تحت الشعور میں اپنے اسلاف کے کارناموں پر بجا طور پر فخر کرنے اور ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے کا جذبہ و شوق پیدا ہو گا۔

اسی طرح "ارسطو" کو اپنے بچوں کے لئے نمونہ بنا کر ہم کوئی مثبت بنیاد فراہم نہیں کر رہے ہیں' کیونکہ ارسطو ایک یونانی فلسفی تھا جس کے باطل فلسفیانہ نظریات نے اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جس کا رد امام غزالی' مولانا روم اور امام ابنِ تیمیہ رحمہم اللہ نے کیا۔

چنانچہ میں نے ان اشعار پر یوں گرہ لگائی ہے ؎

میں طاقت میں خالدؓ و حیدرؓ بنوں گا
بہادر بنوں گا' دلاور بنوں گا
میں پڑھ لکھ کے اوروں کا رہبر بنوں گا
غزالیؒ و رومیؒ کا مظہر بنوں گا

اشعار میں اس قسم کی تبدیلی سے ملتِ اسلامیہ کے نونہالوں میں غیر مسلم کرداروں کی بجائے مسلمان اکابرین کا مثبت تعارف اور تصور (image) اجاگر ہو گا۔

اسی طرح جماعت نہم کی انگریزی کی مروجہ کتاب میں پانچواں سبق بعنوان "Cultural Heritage of Pakistan" (پاکستان کا ثقافتی ورثہ) شامل ہے' جس میں کتاب کے مصنفین یوں رقم طراز ہیں :

"Cultural heritage means the rich treasure of arts, crafts and traditions, which a civilization inherits..... Nations and civilizations are recognized by their

heritage..... special folk tales, folk songs, folk melodies and folk music have their own specific features and peculiar charm..... both songs and dances give vigorous expression to the joys of life..... The love tales of Heer and Ranja, Mirza and Sahiban, Sohni and Mehenwal, Sassi and Punnu are in poetic verses and sung in charming tunes."

"ثقافتی ورثہ کا مطلب تخلیقی آرٹ' دستکاریوں اور روایات کا بہت بڑا خزانہ ہے جو تہذیب کا ورثہ ہے۔ قومیں اور تہذیبیں اپنے ورثے سے پہچانی جاتی ہیں۔ پاکستان تخلیقی آرٹ کے بہت بڑے خزانے کا وارث ہے... خصوصی لوک کہانیاں' لوک گیت' لوک دھنیں اور لوک موسیقی مخصوص دلکشی رکھتے ہیں... گیت اور رقص دونوں زندہ رہنے کی امنگ اور زندگی کی خوشیوں کو تقویت پہنچاتے ہیں... ہیر رانجھا' مرزا صاحباں' سوہنی مہینوال' سسّی پُنّوں کی محبت کی داستانیں شعروں کی شکل میں دلکش سروں میں گائی جاتی ہیں"۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہیر رانجھا' مرزا صاحباں' سوہنی مہینوال اور سسّی پُنّوں کے عشقیہ قصّے پاکستان کا ثقافتی ورثہ ہیں؟ کیا یہی معاشقانہ کردار ہمیں اسلاف سے ورثے میں ملے ہیں؟ مسلمانوں کے اسلاف کا کردار تو یہ رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے ایک صحابی ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں ایک دوشیزہ سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے ـــــ جب ایک مرتبہ واپس مکہ گئے اور اتفاق سے اسی نازنین کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو اس دل رُبا کی نگاہیں ابو مرثدؓ پر پڑ گئیں جس نے جاہلانہ مراسم کو دہرانے کی دعوت دی اور "دعوتِ زلیخا" قبول نہ کرنے کی صورت میں گرفتار کروا دینے کی دھمکی دی۔ مگر اللہ کے اس بندے نے قید و بند کی پروا کئے بغیر "دعوتِ قرب" کو ٹھکرا دیا اور وہاں سے فرار کی راہ لی۔

اگر یہ معاشقانہ راہ و رسم کوئی قابل تحسین فعل ہوتا یا عشق و عاشقی کی کوئی "پاکیزہ قسم" بھی ہوتی (جیسا کہ عوام الناس میں روایتی عاشقوں کی معصومیت کا تصور مشہور ہے) تو یہ صحابی رضی اللہ عنہ دعوتِ نظارہ کی قبولیت میں کوئی قباحت محسوس نہ کرتے ـــــ صرف یہ وضاحت کر دیتے کہ قبولِ اسلام سے پہلے ہم "ناپاک عشق" کرتے تھے' اب ہم "معصوم

عشق" کریں گے ـــــ مگر اس کا کوئی تصور ملت اسلامیہ میں موجود ہی نہیں۔ بلکہ اسلامی ثقافتی ورثہ کی تعریف یہ ہے :

"اَلتُّرَاثُ الْحَضَارِیُّ الْاِسْلَامِیُّ مَا وَرِثْنَاہُ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَ آبَائِنَا وَ اَجْدَادِنَا مِثْلِ الْاَخْلَاقِ وَ الاعْمَالِ وَ الْعُلُوْمِ وَ الْآدَابِ"

(اسلامی ثقافتی ورثہ وہ ہے جس کو ہم نے بزرگوں اور آباء و اجداد سے ورثے میں پایا۔ جیسے اخلاق، اعمال، علوم اور آداب وغیرہ۔)

اور عشقیہ مراسم جنہیں پاکستان کے شاندار ثقافتی ورثہ کا خزانہ قرار دیا گیا ہے، ان کی مذمت تو خود انہی دوشیزاؤں کے عزیز و اقارب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ "ہیر" کا غیرت مند چچا "کیدو" اس کے ناپسندیدہ طرزِ عمل سے اس قدر کبیدہ خاطر تھا کہ برادری میں ناک کٹ جانے کے خوف سے "ہیر" کو زہر دے کر ہلاک کرنے پر مجبور ہو گیا۔

کیا ایسے اسباق پڑھا کر ہم اپنی نئی نسل کو "دل پھینک" عاشق بنانا چاہتے ہیں؟ یہ امر بھی افسوس ناک ہے کہ جب کبھی نصابی کتب کو نظریۂ پاکستان کے مطابق بنانے کی کوئی بھی کوشش کی گئی تو بعض نامعلوم ہاتھوں نے فوری طور پر اسے سبوتاژ کر دیا اور یوں ہمیں زیرو پوائنٹ" پر پہنچا دیا۔

مثلاً چند سال قبل تک "اُردو کی تیسری کتاب" میں ایک مضمون "منگلا کی کہانی" کے نام سے موجود تھا۔ پہلے پہل جب یہ مضمون شاملِ نصاب کیا گیا تو اس میں منگلا کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہ روایت اور پس منظر تحریر تھا کہ :

"اس جگہ ایک قلعہ تھا، جو ایک "مائی" سے منسوب تھا، جسے "منگ لے مائی" کہا جاتا تھا۔ لوگ دریائے جہلم پر آ کر پہلے نہاتے (اشنان کرتے)، پھر "مائی صاحبہ" سے مرادیں مانگتے ـــــ ہوتے ہوتے یہ لفظ بدل کر "منگ لے" سے "منگلا" بن گیا"۔

اس کہانی سے چونکہ شرک کی حقیقت پر واضح روشنی پڑتی تھی اس لئے بعض پس پردہ ہاتھوں نے "منگ لے مائی" کے الفاظ کی جگہ "منگلا دیوی" لوگوں کی بجائے "پجاری" اور "پوجا" کے الفاظ اور "قلعہ" کی جگہ "مندر" کے الفاظ تبدیل کروا دیئے

تاکہ "بی بی" "مائی" اور "بابا" یا "باوا" کی حقیقت نہ کھل جائے۔

اسی طرح ماضی قریب میں بھی نصابِ اسلامیات کو نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے اور آئین پاکستان کے آرٹیکل ۳۱ کے مطابق بنانے کی ایک مسعود و مبارک کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے اپنے سرکلر نمبر F.1-1/98IE مورخہ ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء کے بموجب وفاقی وزارتِ تعلیم (کریکولم ونگ) کی تیار کردہ اور منظور کردہ کتاب "اسلامیات لازمی" برائے جماعت نہم کا نفاذ کیا' جس میں نہ صرف منتخب قرآنی سورتوں کو لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ شامل نصاب کیا گیا بلکہ طلبہ و طالبات میں عربی دانی اور قرآن فہمی کی استعداد بڑھانے کے لئے عربی زبان میں چند ایمان افروز اسباق بھی شامل کئے گئے ہیں جن میں آفرینش آدم' شرفِ انسانیت اور شیطان کا انسان کو شرک جیسے ناقابل معافی گناہ میں ملوث کرنے کا بیان ہے' مگر نہ جانے وہ کون سی پس پردہ قوتیں ہیں جنہوں نے مسلمانانِ پاکستان کی نئی پود کو ان حقائق سے روشناس ہوتے گوارا نہیں کیا اور نادان دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے نصاب و کتاب کے متعارف ہونے کے فوراً ہی بعد اس حصۂ کتاب کو منسوخ کروا دیا ہے۔ اور ایک سال کے اندر اندر اس میں تشویش ناک حد تک تبدیلی کروا دی ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۱ء میں میٹرک کا امتحان دینے والے امیدواروں سے اس سے متعلق نہ کوئی سوال پوچھا جائے گا اور نہ ہی اس حصہ کتاب کا کوئی نمبر ہو گا۔ جب کہ اس سال ایک نئی کتاب متعارف کروا دی گئی ہے' جس میں اس عربی حصہ کا ایک اہم سبق "اَلْاَصْنَامُ وَالتَّمَاثِیْلُ" تو حذف ہی کر دیا گیا ہے اور باقی اسباق میں معنی خیز حد تک تبدیلی کر کے توحید و شرک کی مستند تاریخ اور تدریج کو گڈمڈ اور مسخ کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ ۱۹۹۹ء میں متعارف ہونے والی کتاب کا سبق "اِغْوَاءُ الشَّیْطَانِ بَنِیْ آدَمَ" جس کا آغاز قرآن مجید کی نص صریح "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" اور "اَنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ" سے کیا گیا تھا اور جس کی تفصیل کچھ یوں تھی۔

"اِغْوَاءُ الشَّیْطَانِ بَنِیْ آدَمَ"

اَلشِّرْکُ ظُلْمٌ عَظِیْمٌ ' وَکَانَ الشَّیْطٰنُ یَعْرِفُ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ

بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ فَاَرَادَ اَنْ يَدْعُوْهُمْ اِلَى الشِّرْكِ فَاخْتَارَ لَهُمْ عِبَادَةَ الْاَصْنَامِ وَ فَكَّرَ فِيْ تَحْقِيْقِ مَا اَرَادَ لِاَنَّهٗ لَوْ ذَهَبَ اِلَى النَّاسِ بِهٰذِهِ الدَّعْوَةِ لَخَالَفُوْهُ۔ وَكَانَ فِيْهِمْ رِجَالٌ صَالِحُوْنَ يُحِبُّوْنَهُمْ وَيُعَظِّمُوْنَهُمْ وَالشَّيْطٰنُ يَعْرِفُ ذٰلِكَ جِدًّا۔ فَمَاتَ هٰؤُلَآءِ الصَّالِحُوْنَ وَذَهَبَ الشَّيْطٰنُ اِلَى النَّاسِ فَاَقْنَعَهُمْ بِاَنَّهُمْ عِبَادُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ اِذَا دُعُوْا اَجَابُوْهُمْ وَاِذَا سُئِلُوْا اَعْطَوْهُمْ فَاَغْوَاهُمُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يَّعْمَلُوْا لَهُمْ صُوَرًا لِيَنْظُرُوْا اِلَيْهَا كُلَّ صَبَاحٍ فَاُعْجِبَ النَّاسُ بِرَاْيِهٖ وَصَوَّرُوا الصَّالِحِيْنَ وَبَدَءُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهَا نَظْرَةَ قَدَاسَةٍ

"شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور شیطان جانتا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا جو کسی کو اس (اللہ) کا شریک بنائے گا' اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ پس اس نے ارادہ کیا کہ ان (بنی آدم علیہ السلام) کو شرک کی دعوت دے پس اس (شیطان) نے ان (اولادِ آدمؑ) کے لئے بُتوں کی عبادت کو منتخب کیا۔ خوب غور و فکر کیا (اس دعوت شرک کے بارے میں) جس کا اس نے ارادہ تھا کہ اگر وہ لوگوں کے پاس اس دعوت (شرک) کو لے کر گیا تو وہ ضرور اس کی مخالفت کریں گے ـــــ اور ان میں کچھ نیک لوگ تھے جن سے وہ محبت کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے اور شیطان اس بات کو بخوبی جانتا تھا۔ پس جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان لوگوں کے پاس گیا اور انہیں قائل کیا کہ بے شک وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ جب پکارا جائے وہ پکار کو قبول کرتے ہیں اور جب ان سے مانگا جائے وہ انہیں عطا کرتے ہیں۔ پس شیطان نے انہیں بہکایا کہ وہ ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ہر صبح ان کا درشن کیا کریں۔ پس لوگوں نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں اور مقدس سمجھ کر ان کا دیدار کرنے لگے۔"

اس سبق میں تحریف کر کے "اِغْوَاءُ اِبْلِيْسَ بَنِيْ آدَمَ" کے عنوان سے نئی کتاب میں کچھ یوں شامل کیا گیا ہے :

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَهُمْ عَلٰى دِيْنِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ ' يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِهٖ شَيْئًا۔ لَمْ يَرُضَ اِبْلِيْسُ وَذُرِّيَّتُهٗ بِهٰذَا وَكَانَ اِبْلِيْسُ لَا يُحِبُّ اَنْ يَرَى النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَيَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ فَاَرَادَ اَنْ يَدْعُوَهُمْ اِلَى الشِّرْكِ فَاخْتَارَ لَهُمْ عِبَادَةَ الْاَصْنَامِ

فَكَّرَ الشَّيْطٰنُ فِيْ حِيْلَةٍ لِاِغْوَاءِ النَّاسِ لِاَنَّهٗ لَوْ ذَهَبَ اِلَى النَّاسِ بِدَعْوَةِ الشِّرْكِ لَخَالَفُوْهُ فَاقْتَرَحَ لِلنَّاسِ اَنْ يَّعْمَلُوْا صُوَرًا لِلرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ۔ فَاُعْجِبَ النَّاسُ بِرَايِهٖ وَصَوَّرُوْا لَهُمْ وَبَدَءُ وْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهَا نَظْرَةَ قَدَاسَةٍ

"لوگ ایک ہی ملت تھے اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ ابلیس اور اس کی اولاد اس بات پر راضی نہ تھی۔ اور ابلیس اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ وہ لوگوں کو ایک ہی قوم دیکھے' جو ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوں۔ پس اس نے ارادہ کیا کہ انہیں شرک کی طرف بلائے۔ پس ان کے لئے بتوں کی عبادت کا انتخاب کیا۔ شیطان نے لوگوں کو بہکانے کے بہانے پر خوب غور کیا کہ اگر وہ ان کے پاس شرک کی دعوت لے کر گیا تو وہ اس کی مخالفت کریں گے۔ پس اس نے انسانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ مردوں اور عورتوں کی تصویریں بنالیں۔ پس انسانوں نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ان کی تصویریں بنا لیں اور ان کا درشن تقدس کی نظر سے کرنے لگے۔"

سابق سال کی کتاب کے سبق "اِغْوَاءُ الشَّيْطَانِ بَنِي آدَمَ" اور موجودہ کتاب کے سبق "اِغْوَاءُ اِبْلِيْسَ بَنِي آدَمَ" کا موازنہ کیجئے! تو معلوم ہوگا کہ :

"وَكَانَ فِيْهِمْ رِجَالٌ صَالِحُوْنَ يُحِبُّوْنَهُمْ وَيُعَظِّمُوْنَهُمْ وَالشَّيْطٰنُ يَعْرِفُ ذٰلِكَ جِدًّا۔ فَمَاتَ هٰؤُلَاءِ الصَّالِحُوْنَ وَذَهَبَ الشَّيْطٰنُ اِلَى النَّاسِ فَاَقْنَعَهُمْ بِاَنَّهُمْ عِبَادُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُ هٗ اِذَا دُعُوْا اَجَابُوْهُمْ وَاِذَا سُئِلُوْا اَعْطَوْهُمْ فَاَغْوَاهُمُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يَّعْمَلُوْا لَهُمْ صُوَرًا۔

فَاُعْجِبَ النَّاسُ بِرَاْيِهٖ وَصَوَّرُوا الصَّالِحِيْنَ"

"یعنی ان میں نیک لوگ تھے جن سے وہ محبت کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔ اور شیطان اس بات کو بخوبی جانتا تھا۔ پس جب وہ نیک لوگ مرگئے تو شیطان لوگوں کے پاس آیا اور انہیں قائل کیا کہ وہ (مرنے والے لوگ) اللہ کے بندے اور اس کے لاڈلے تھے۔ جب ان سے دعا کی جاتی ہے وہ قبول کرتے ہیں اور جب ان سے (مرادیں) مانگی جاتی ہیں وہ ان (مانگنے والوں) کو عطا کرتے ہیں۔ پس شیطان نے انہیں ورغلایا کہ وہ ان کی تصویریں بنالیں' تاکہ ہر صبح ان کے درشن کیا کریں۔ پس لوگوں نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔"

کی پوری عبارت ہی نکال دی ہے اور اسے صرف یوں کردیا ہے :

"فَاقْتَرَحَ لِلنَّاسِ اَنْ يَّعْمَلُوْا صُوَرًا لِلرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ فَاُعْجِبَ النَّاسُ بِرَاْيِهٖ وَصَوَّرُوْا لَهُمْ وَبَدَءُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهَا نَظَرَةَ قَدَاسَةٍ"

"اس نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ مَردوں اور عورتوں کی تصویریں بنالیں۔ پس لوگوں نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ان کی تصویریں بنالیں اور تقدس کی نظر سے ان کا دیدار کرنے لگے۔"

مندرجہ بالا عبارات کا بغور مطالعہ کیجئے! اور خود فیصلہ کیجئے کہ کس طرح لفظی ہیر پھیر سے حقائق کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "اللہ کے وہ نیک بندے جن سے لوگ محبت کرتے اور تعظیم کرتے تھے' ان کی مورتیاں عقیدۃً بنالینا تو قرین قیاس ہے' مگر کسی تعلق اور عقیدت کے بغیر انجانے مردوں اور عورتوں کی مورتیاں بنا کر ان کا تقدس اور دیدار کرنے لگنا عقل سلیم میں آنے والی بات نہیں' بلکہ یہ انسانوں کے پسندیدہ' اللہ کے پیاروں کی مورتیاں ہی ہو سکتی ہیں جن کے لئے نذر و نیاز اور مراسم عبودیت ادا ہونے لگے۔ اور جنہیں سابق سال کی کتاب کے سبق "اَلْاَصْنَامُ وَالتَّمَاثِيْلُ" میں وضاحتاً یوں بیان کیا گیا ہے (جس سبق کو نئی کتاب سے نکال ہی دیا گیا ہے)

"تَحَوَّلَ النَّاسُ مِنَ الصُّوَرِ اِلَى التَّمَاثِيْلِ بَعْدَ مُدَّةٍ مِنَ الزَّمَنِ فَعَلِمُوْا تَمَاثِيْلَ عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ وَرَغَمَ اِعْتِقَادِهِمْ اَنَّهَا حِجَارَةٌ لَا تَنْفَعُ

وَلاَ تَطُرْ وَظَلُّوْا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَلاَ يُشْرِكُوْنَ بِهٖ شَيْئًا اِلاَّ اَنَّهُمْ مَعَ ذٰلِكَ اَخَذُوْا يَتَبَرَّكُوْنَ بِالتَّمَاثِيْلِ وَيُعَظِّمُوْنَهَا حَتّٰى كَثُرَتِ التَّمَاثِيْلُ وَازْدَادُوْا تَعْظِيْمًا وَالْتَزَمُوْا يَصْنَعُوْنَ تِمْثَالَ كُلِّ رَجُلٍ صَالِحٍ مِنْهُمْ يَمُوْتُ فَيُسَمُّوْنَهٗ بِاسْمِهٖ وَعِنْدَ مَا وَجَدَ الْاَبْنَاءُ آبَاءَ هُمْ يُعَظِّمُوْنَ التَّمَاثِيْلَ وَيَتَبَرَّكُوْنَ بِهَا اَخَذُوْا يَتَّبِعُوْنَهُمْ وَازْدَادَ الْاَبْنَاءُ عَلَى الْآبَاءِ فِيْ ذٰلِكَ فَاَخَذُوْا يَعْبُدُوْنَ التَّمَاثِيْلَ فَيَسْئَالُوْنَهَا وَيَذْبَحُوْنَ لَهَا۔ ثُمَّ صَارَتْ هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ اٰلِهَةً لَهُمْ وَعَكَفُوْا عَلَيْهَا دُعَاءً وَعِبَادَةً۔ وَهٰكَذَا عَمَّتِ الْاَصْنَامُ وَانْتَشَرَ الشِّرْكُ۔"

"کافی زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے تصویروں کو مورتیوں میں بدل دیا' پس یہ جانتے ہوئے کہ مورتیاں اللہ کے نیک بندوں کی ہیں اور اس پختہ عقیدہ کے ساتھ کہ وہ (تراشے ہوئے) پتھر ہیں' نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان' وہ لوگ اللہ کی عبادت پر قائم رہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ البتہ انہوں نے مورتیوں کو متبرک سمجھنا شروع کر دیا اور ان کی تعظیم کرنے لگے' یہاں تک کہ مورتیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور ان کی تعظیم بھی بڑھ گئی۔ پس انہوں نے ہر مرنے والے نیک انسان کی مورتی بنانا لازم کر لیا اور اسی مرنے والے کے نام پر اس مورتی کا نام بھی رکھنے لگے۔ اور جب اولاد نے والدین کو ان مورتیوں کی تعظیم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے پایا تو انہوں نے بھی ان کی پیروی کی' بلکہ اولاد اپنے والدین سے (غلو میں) بڑھ گئی اور انہوں نے مورتیوں کی پوجا شروع کر دی اور ان سے مرادیں مانگنے اور ان کے لئے جانور ذبح کرنے لگے۔ پھر یہ مورتیاں ان کے معبود بن گئیں۔ ان پر (مجاور بن کر) بیٹھ گئے۔ لوگ انہی سے دعا اور عبادت کرنے لگے۔ اس طرح بت عام ہو گئے اور شرک پھیل گیا۔"

اب ذرا نئی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶۷ پہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ پرانی کتاب کے سبق "اَلْاَصْنَامُ وَالتَّمَاثِيْلُ" کی عبارت کو خصوصی ترمیم و تنسیخ کے بعد نئی کتاب کے سبق "اِغْوَاءُ اِبْلِيْسَ بَنِي آدَمَ" میں ہی شامل کر دیا گیا ہے۔ البتہ "اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ" کے متعلق عبارات کو صریحاً خارج کر دیا گیا ہے۔ مثلاً :

فَعَمِلُوْا تَمَاثِيْلَ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ "پس انہوں نے اللہ کے نیک بندوں کی مورتیاں بنالیں" کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح "وَازْدَادُوْا تَعْظِيْمًا وَالْتَزَمُوْا يَصْنَعُوْنَ تِمْثَالَ كُلِّ رَجُلٍ صَالِحٍ مِنْهُمْ يَمُوْتُ فَيُسَمُّوْنَهُ بِاسْمِهٖ" "اور ان مورتیوں کی تعظیم میں اضافہ کر دیا۔ اور انہوں نے ہر مرنے والے نیک آدمی کی مورتی بنانا لازم کر لیا۔ اسی مرنے والے کے نام پر اس مورتی کا نام بھی رکھنے لگے" کے الفاظ بھی خارج کر دیئے ہیں اور عبارت کو یوں کر دیا ہے :

"بَعْدَ مُدَّةٍ مِنَ الزَّمَنِ تَحَوَّلَ النَّاسُ مِنَ الصُّوَرِ اِلَى التَّمَاثِيْلِ وَزَعَمَ اِعْتِقَادِهِمْ اَنَّهَا حِجَارَةٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ اَخَذُوْا يَتَبَرَّكُوْنَ بِالتَّمَاثِيْلِ وَيُعَظِّمُوْنَهَا حَتّٰى كَثُرَتِ التَّمَاثِيْلُ"

"کافی زمانہ گزر جانے کے بعد لوگوں نے تصویروں کو مورتیوں میں بدل لیا۔ البتہ انہوں نے یہ اعتقاد رکھا کہ وہ پتھر ہیں' نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان' تاہم مورتیوں سے برکت حاصل کرتے رہے اور ان کی تعظیم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مورتیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا۔"

یہ تمام تر قطع و برید اور ترمیم و تنسیخ شاید اس خوف سے کی گئی ہے کہ کہیں قوم کے نونہالوں پر یہ بات نہ واضح ہو جائے کہ مشرکین کے بُت جن کی مذمت میں کثیر قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں' محض پتھر کے بے صورت مجسمے نہیں تھے' بلکہ اپنے دور کے نیک بزرگوں کے پتلے تھے' جنہیں دیوی اور دیوتا کا نام دے دیا گیا تھا۔ اور مشرکین ان نیک "اہل اللہ" کو زندہ سمجھ کر بزعم خویش ان کی خوشنودی کے حصول کے لئے ان کے آستانوں پر چڑھاوے چڑھاتے اور دلی مُرادیں مانگتے تھے۔

لہٰذا وفاقی حکومت کو چاہئے کہ توحید و شرک کی واضح اور مستند تاریخ پہ مبنی سابق کتاب (شائع کردہ مارچ ۱۹۹۹ء) کو بحال کرے تاکہ حق واضح رہے۔ اور بفحوائے عبارتِ قرآنی "تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" جیسی علمی خیانت نہ ہو سکے۔

علم اور اہلِ علم کی فضیلت

اخذ و ترتیب : حافظ محبوب احمد خان

کسی بھی معاشرے کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ جب تک مسلمانوں نے اس اصول کو حرزِ جان بنائے رکھا وہ زمانے میں امام رہے، مگر جب چھوڑ دیا تو محکوم بن گئے، جبکہ ترقی یافتہ ممالک نے اسی حقیقت کو پا کر دُنیا کی قیادت حاصل کر لی۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا آغاز ہی "اقرأ" سے کر کے علم اور اہل علم کو صاحب فضیلت شمار کیا، جب کہ دُنیا اِس راز سے بالکل غافل و جاہل تھی، مگر زمانہ حاضر میں سب سے قابل ترس حالت بھی مسلمانوں ہی کی ہے۔

انبیاء کرام اور وصفِ علم

انبیاء کرام علیہم السلام کو جو شرف و کرامت مخلوق الٰہی پر حاصل ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے متصف فرمایا۔ دیکھئے ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے ساتھ یہ مکالمہ جس میں ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت فضیلت علم کے باعث نمایاں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے عرض کرتے ہیں کہ اے ابا جان! آپ اُن چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکتی ہیں، چنانچہ آپ میری اطاعت کریں، کیونکہ :

﴿ يَاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَاءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ ... ﴾

"ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا..."

قرآن کریم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لئے ایک دوسرے صاحب علم (حضرت خضر) کے پاس پہنچے اور ﴿ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ کے الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا کہ آپ مجھے بھی اُس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

اسلام مبنی بر علم دین ہے

دلائل اسلام جس طرح مبنی بر علم ہیں اس طرح ان کا مطالبہ دوسرے ادیان سے بھی کیا گیا ہے کہ اگر وہ حق پر ہیں تو وہ بھی اپنے حق پر ہونے کو دلائل سے ثابت کریں۔ دیکھئے جب مشرکین نے کہا کہ "ہمارے شرک کا اور حلال کو حرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر قادر ہے' اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے یا کفر کے کاموں کی ہمیں توفیق ہی نہ دے' اگر وہ ہماری اس روش کو نہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے' ورنہ ہم تو کیا ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے"۔ چونکہ یہ بات بغیر دلیل کے ہے اور یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی لہٰذا حضور ﷺ سے کہا گیا کہ ان سے اس بات کی علمی دلیل طلب کریں :

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۱۴۸)

"ان سے پوچھئے کہ کیا تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو! تم تو صرف وہم کے پیچھے پڑے ہوئے ہو اور نری اٹکلیں دوڑا رہے ہو"۔

دلائل توحید میں علماء کی شہادت

خود اللہ تعالیٰ کی نظر میں اہل علم کی فضیلت کیا ہے' اس کا اندازہ سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیت سے لگایا جا سکتا ہے' جس میں رب العالمین نے دلائل توحید کے ثبوت میں اپنی شہادت کو ملائکہ اور علماء کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے :

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ... ﴾

(آل عمران : ۱۸)

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے' اور (یہی شہادت) ملائکہ اور صاحبانِ علم نے بھی دی ہے"۔

قرآن کریم میں ہمیں علمائے اہل کتاب کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جب کافر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار و تکذیب کرتے ہیں قرآن کریم انجیل و بائبل کے حامل ان ہی علماء کو نبی کریم ﷺ

کی نبوت پر بطورِ گواہ پیش کرتا ہے۔ سورۃ الرعد کی درج ذیل آیت اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے :

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ ﴾ (الرعد : ۴۳)

"یہ کافر کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے' اور پھر اس شخص کی گواہی جس کے پاس کتاب (تورات و انجیل) کا علم ہے"۔

یہ آیت اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام میں صاحب علم کی فضیلت کیا ہے۔ ان ہی آیات و احکامات کی تعمیل میں ہمارے اسلاف نے علم کے میدانوں میں جو کارنامے سرانجام دیئے ان پر آج بھی دُنیا محوِ حیرت ہے۔

حضور ﷺ کا انتخاب

ہمیں قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مختلف دعائیں ملتی ہیں جو انہوں نے اپنے رب سے کیں' اور یہ دعائیں خاص رنگ میں تھیں' مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے دُعا کی :

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ ﴾ (نوح : ۲۸)

"اے میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اُس شخص کو جو مؤمن ہو کر میرے گھر میں داخل ہو' اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دُعا کرتے ہیں :

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ ﴾ (ابراھیم : ۳۵)

"مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچا"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لئے اس دُعا کا انتخاب کرتے ہیں :

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ﴾

(ص : ۳۵)

"اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دُعا کی :

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ ﴾ (آل عمران : ۳۸)

"اے میرے رب! مجھے اپنی قدرت سے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما"۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر و ہادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دُعا فرمائی۔ افصح العرب نے اپنے لئے جو دُعا منتخب کی وہ الفاظ کے لحاظ سے مختصر، مگر ان تمام دعاؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ پروردگار کے حضور عرض کیا :

﴿ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ ﴾ (طٰهٰ : ۱۱۴)

"اے میرے رب! مجھے علم میں افزونی عطا فرما"۔

اس سے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بُتوں سے بچاؤ کی دُعا کی، زکریا علیہ السلام نے بیٹے کے لئے دُعا کی، سلیمان علیہ السلام نے حکومت کے لئے دُعا کی، مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم میں اضافے کے لئے دُعا کی۔ یعنی علم ان تمام نعمتوں میں جو انبیاء علیہم السلام نے مانگیں، سب سے بہتر نعمت ہے۔

ظہورِ اسلام اور دُنیا کی جہالت

ظہورِ اسلام کے وقت دُنیا کے تمام معاشروں میں صرف مذہبی طبقہ ہی ایسا تھا جس نے اپنی مذہبی کتابوں کے سیکھ لینے کو ہی علم جانا تھا، یا پھر اُن بے سروپا کہانیوں، واقعات اور قصوں کو علم کا درجہ دے دیا گیا تھا جو خود اُن ہی کے گھڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں مہا بھارت[1] کے قصّے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔ یہودیوں نے صرف تورات کے الفاظ

---

[1] ہندو مذہب کی عظیم کتاب جو اٹھارہ پرب (ابواب) اور ایک لاکھ اشلوک پر مشتمل ہے۔ پہلے اس کتاب کا نام بھارت تھا۔ اس کو پراشر کے بیٹے بیاس نے پانڈو اور کورو کی اولاد کی بڑی جنگ (مہابھارت) کے زمانہ میں تصنیف کیا تھا۔ اب اس جنگ کے حوالے سے اس کتاب کو مہا بھارت کہا جاتا ہے۔ اس میں جنگ کے حالات، ہندو مذہب کی اخلاقی تعلیمات، قربانی، نجات اور جنت کے متعلق ہندو مذہب کا نظریہ بیان کیا گیا ہے۔

کے سیکھنے ہی کو علمِ حقیقی کا درجہ دیا ہوا تھا' اور یورپ جو آج کل دُنیا کا امام بنا ہوا ہے' قطعاً جہالت میں غرق تھا۔ یہی حال ایران اور چین کا تھا۔

بے شک اسلام ہی ہے جس نے علوم کی عام تعلیم دی اور اسلام ہی ہے جس نے دُنیا کو علم سے روشناس کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسلمان فاتحین نے ان علوم کو پوری فیاضی کے ساتھ آقا و غلام' امیر و غریب' فاتح و مفتوح کی تمیز کو مٹا کر نو مسلم معاشروں اور مفتوحہ ممالک میں پہنچایا۔ پھر دُنیا نے دیکھ لیا کہ عربوں سے تعلیم پانے والے غلام' عجمی اور مفتوح اقوام علم کی دُنیا پر چھا گئے اور دُنیا کے امام کہلائے۔ مسلم دَور میں سلطنتِ عباسیہ' سلطنتِ اندلس اور بنو اُمیّہ علمی حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ سلطنتِ عباسیہ میں ہارون الرشید' مامون الرشید اور معتصم باللہ جیسے قابل اور علم پرور حکمران ہوئے' اُن کا دَور علمی حوالے سے قابل ذکر ہے۔

علم اور اہل علم کا دَور' سلطنتِ اندلس میں

اب آیئے دیکھتے ہیں اندلس کی عظیم الشان سلطنت کی طرف جہاں عبدالرحمٰن الداخل' ہشام بن عبدالرحمٰن' الحکم ثانی' عبداللہ بن ابی عامر جیسی ہستیاں گزری ہیں۔ سلطنت اندلس میں صحیح معنوں میں مالکی مذہب کو حکومتی سرپرستی میں عروج حاصل ہوا۔ سلطان ہشام کے دَور میں مالکی فقہاء اور علماء کو بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ وہی سلطان کے مشیر و وزیر اور تمام محکموں کے مالک اور مہتمم تھے۔ مذہبی پیشوا ہونے کے سبب عوام اور بھی زیادہ ان کے زیر اثر تھے۔ اس دَور میں جس شخصیت کو عروج حاصل ہوا وہ یحییٰ بن یحییٰ تھے جو قرطبہ کے قاضی القضاۃ اور اندلس کے شیخ الاسلام بنا دیئے گئے۔ تاہم بعد میں جب اندلس میں حنبلی مذہب کو فروغ حاصل ہوا تو علماء کی باہمی فتویٰ بازی نے اُموی سلطانوں کے لئے امن و امان کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ جب اُموی بادشاہوں کی جانب سے علماء پر سختی کی گئی تو علماء کی جانب سے بادشاہوں کے خلاف سازشیں بھی ظہور میں آئیں۔ تاہم خلیفہ الحکم کا دَور علم اور اہل علم کے لئے ایک سنہری دَور کہا جا سکتا ہے۔ خود خلیفہ حکم کا ذاتی کتب خانہ اس قدر شاندار تھا کہ اس کی عمارت قصر شاہی سے کم وسیع اور شاندار نہ

تھی۔ اس کتب خانے کی عمارت کو سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ سنگ مرمر ہی کا خوبصورت فرش تھا جس پر سنگ سبز اور سنگ موسیٰ کی پچی کاری تھی۔ صندل آبنوس اور اسی قسم کی قیمتی لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ ہر ایک الماری پر سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا تھا کہ الماری میں کس علم و فن کی کتابیں ہیں۔ اس دار الکتب میں ہزار ہا جلد ساز اور کاتب مصروفِ کار رہتے تھے۔ کتابوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔

فہرست کتب چوالیس جلدوں میں تھی۔ اس فہرست میں صرف کتاب اور مصنف کا نام درج تھا۔ ان کتابوں میں بہت ہی کم ایسی کتابیں ہوں گی جن کا خلیفہ حکم نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ قریباً ہر ایک کتاب پر خلیفہ کے قلم سے لکھے ہوئے حواشی تھے اور ہر ایک کتاب کے پہلے ورق پر خلیفہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصنف اور کتاب کا نام اور مصنف کا شجرہ نسب درج ہوتا تھا۔ خلیفہ حکم کی قوتِ حافظہ بہت زبردست تھی۔ ساتھ ہی وہ اعلیٰ درجہ کا ذہین اور نقاد بھی تھا۔ ہر قسم کی نظم و نثر بلا تکلف لکھتا تھا۔ فن تاریخ سے اس خلیفہ کو بہت دلچسپی تھی۔ اندلس کی ایک تاریخ خلیفہ نے خود لکھی تھی، مگر وہ زمانہ کی دست برد سے ضائع ہو گئی۔ روئے زمین کے علماء خواہ وہ کسی قوم، کسی مذہب اور کسی علم و فن سے تعلق رکھتے ہوں، قرطبہ کی طرف کھنچ کھنچ کر چلے آئے تھے۔ غرض کہ خلیفہ حکم کے زمانے میں قرطبہ تمام علوم و فنون کا دنیا بھر میں ایک ہی بے نظیر مرکز تھا۔

چونکہ یہ خلیفہ علم کا پروردہ تھا لہٰذا اس کے دَور میں اہل علم و اہل کمال کی قدر و منزلت کو بھی کمال حاصل ہوا۔ اگر اس دَور کے چند قابل ذکر علماء کا تذکرہ کیا جائے تو یقیناً یہ ذکر دلچسپی کا حامل ہو گا۔

ابو علی القالی مصنف کتاب الامالی عبد الرحمٰن ثالث کے عہد میں وارد اندلس ہوا تھا۔ سلطان حکم اس بے نظیر عالم کو ایک دم کے لئے اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ابو بکر الارزق جو اپنے زمانے کا مشہور عالم اور سلمہ بن عبد الملک بن مروان کے خاندان سے تھا، ۳۴۹ھ میں قرطبہ پہنچا اور ۵۸ سال کی عمر میں بہ ماہ ذی قعد ۳۸۵ھ فوت ہو کر قرطبہ میں مدفون ہوا۔ خلیفہ حکم اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن علی جو ابن زمع کے خاندان میں سے تھا، قاہرہ سے اندلس آیا اور خلیفہ حکم کے علمائے دربار میں

شامل ہوا۔

ثقر البغدادی اور قیاس بن عمرو غیرہ مشہور خوش نویس تھے جن کی خلیفہ حکم بڑی قدر کرتا تھا۔ ابو الفرج اصفہانی اور ابو بکر مالکی کے پاس ایک ایک ہزار دینار سرخ خلیفہ نے بھیجے۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدون عذری دربارِ قرطبہ کا اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا۔ محمد بن مفرج فقہ اور حدیث کا مشہور عالم تھا۔ ابن مغیث' احمد بن عبدالملک' ابن ہشام القوی' یوسف بن ہارون' ابوالولید یونس اور احمد بن سعید ہمدانی مشہور شعراء تھے۔ محمد بن یوسف درانی نے خلیفہ حکم کے حکم سے افریقہ کی تاریخ مع جغرافیہ لکھی۔ عیسیٰ بن محمد' ابو عمر احمد بن فرج' یعیش بن سعید خلیفہ حکم کے عہد میں مشہور مؤرخ اور زبردست عالم تھے جو دربارِ قرطبہ کی رونق تھے۔

علم نوازی کی ایک مثال

اس دَور میں علماء کو جو قدر و منزلت اور احترام حاصل ہوا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

ایک روز ابو ابراہیم نامی ایک فقیہہ مسجد ابو عثمان میں وعظ بیان کر رہا تھا۔ اسی حالت میں شاہی چوب دار آیا اور اس نے ابراہیم سے کہا کہ امیر المؤمنین نے آپ کو اسی وقت طلب فرمایا ہے اور وہ باہر انتظار کر رہے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ تم امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ میں اس وقت خدا کے کام میں مصروف ہوں' جب تک اس کام سے فارغ نہ ہو لوں باہر نہیں آ سکتا۔ چوب دار اس جواب کو سن کر حیران رہ گیا اور ڈرتے ڈرتے جا کر خلیفہ کی خدمت میں ابراہیم کا جواب عرض کیا۔ خلیفہ نے یہ سن کر چوب دار سے کہا کہ تم جا کر ابراہیم سے کہہ دو کہ مَیں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ خدا کے کام میں مصروف ہیں۔ جب اس کام سے فارغ ہو جائیں تو تشریف لائیں' میں اُس وقت تک دربار میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ چوب دار نے یہ پیغام آ کر ابراہیم کو سنایا۔ ابراہیم نے کہا کہ تم جا کر امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں نہ چل سکتا ہوں۔ باب السدہ یہاں سے زیادہ دُور ہے' مگر باب الصنع یہاں سے

قریب ہے' اگر باب الصنع کے کھول دینے کی اجازت دیں تو میں اس دروازے سے بآسانی حاضر دربار ہو سکوں گا۔ باب الصنع ہمیشہ بند رہتا تھا اور کسی خاص موقع پر ہی اس کے کھولنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ابراہیم اس کے بعد پھر اپنے وعظ میں میں مصروف ہو گئے اور چوب دار یہ پیغام بھی خلیفہ کے پاس پہنچا کر خلیفہ کے حکم سے آکر مسجد میں بیٹھ گیا۔ جب ابراہیم اپنا وعظ ختم کر چکے تو چوب دار نے عرض کیا کہ باب الصنع آپ کے لئے کھول دیا گیا ہے اور امیر المؤمنین آپ کے منتظر ہیں۔ ابراہیم جب باب الصنع پہنچے تو دیکھا کہ وہاں امراء و وزراء اُن کے استقبال کے لئے موجود ہیں۔ وہ دربار میں گئے اور خلیفہ سے باتیں کر کے اسی دروازے سے عزت و احترام کے ساتھ واپس آ گئے۔

سلطنتِ عبّاسیہ اور اہل علم :

سلطنتِ اندلس کے بعد اب آیئے دیکھتے ہیں سلطنتِ عباسیہ کی جانب' جہاں ہارون الرشید' مامون الرشید اور واثق باللہ جیسے باہمت و علم پرور حکمرانوں نے علماء کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا۔ اگرچہ اس دَور میں انفرادی طور پر اسلامی علوم کے حوالے سے بہت جلیل القدر ہستیاں دیکھنے میں آتی ہیں تاہم دربار شاہی کی سرپرستی کے حوالے سے یہ دَور اسلامی علوم کے علاوہ دوسرے علوم کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ عباسیوں کے دَور میں ایرانیوں کو عروج حاصل ہوا اور ستارہ پرست خاندان برامکہ ہارون الرشید کے دَور میں تمام بڑے عہدوں پر فائز رہے' جو آزاد خیال تھے اور اسلامی علوم سے دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ ۱۹۳ھ ہجری میں ہارون الرشید کی وفات کے بعد مامون اور امین کی خانہ جنگی جاری رہی۔ ۱۹۸ھ میں امین کے قتل کے بعد مامون الرشید نے مَرو میں اپنے دَور حکومت کا آغاز کیا۔ مامون الرشید کے عہدِ حکومت کا کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں جو جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے خالی ہو اور مامون الرشید کو ملکوں اور صوبوں کے انتظامات اور باغیوں کی سرکوبی کے اہتمام سے فراغت حاصل ہوئی ہو۔ لہٰذا توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایک ایسا مصروفِ کار اور حالاتِ سلطنت سے ہمہ اوقات باخبر رہنے والا خلیفہ علوم و فنون کی طرف بھی توجہ کر سکا ہو گا۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ

مامون الرشید عباسی کے عہدِ خلافت میں علوم وفنون کے جس قدر دریا بہے اور مامون نے اس طرف توجہ کرکے جو کارہائے نمایاں علمی دُنیا کے لئے انجام دیئے' اس کی نظیر دوسری جگہ دستیاب نہیں ہو سکتی' اور یہی وجہ ہے کہ اس کی شہرت و عظمت نے غیر معمولی رتبۂ بلند حاصل کرلیا ہے۔ ہارون الرشید عباسی نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دار الترجمہ اور دار التصنیف قائم کیا تھا' جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے' مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف زبانیں جاننے والے علماء مصروفِ کار رہتے تھے۔

مامون کو ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو اُس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تمام تصانیف' جہاں تک دستیاب ہو سکیں' فراہم کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔ قیصر کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل ہوا اور اُس نے اپنے عیسائی علماء سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ :

> "فلسفہ کی کتابیں ہمارے ملک میں مقفل و محفوظ ہیں اور اُن کو پڑھنے پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں' کیونکہ اُس سے مذہبی احترام لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہ سکتا' ان کتابوں کو آپ ضرور خلیفہ اسلام کے پاس بھجوادیں تاکہ وہاں فلسفہ کی اشاعت ہو اور مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے"۔

قیصر نے پانچ اونٹ ان کتابوں سے لاد کر مامون الرشید کے پاس بھجوادیئے۔ مامون الرشید نے یعقوب بن اسحٰق کندی کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا۔ پھر مامون نے خود اپنی طرف سے عیسائی علماء کو جو اُس کے یہاں ملازم تھے' بلادِ روم و یونان کی طرف روانہ کیا کہ وہاں سے علوم و فنون کی کتابیں تلاش کرکے لائیں۔ قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر خود اپنے شوق سے روم کے ملک میں گیا اور وہاں سے کتابیں تلاش کرکے لایا۔ مامون الرشید نے اس کو دار الترجمہ میں ملازم رکھ لیا۔

اسی طرح اُس نے مجوسی علماء کو بڑی بڑی بیش قرار تنخواہوں پر ملازم رکھ لیا اور مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمہ کی خدمت ان کے سپرد کی۔ ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پنڈتوں کو بطورِ تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت کے مترجموں کی

تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار تک تھیں اور اُن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی، جن میں یعقوب کندی، حنین بن اسحٰق، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابو جعفر بن عدی، جبرئیل بن بختیشوع وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ تنخواہوں کے علاوہ مترجموں کو ہر ایک کتاب کے ترجمہ کے برابر سونا یا چاندی تول کر دی جاتی تھی۔ فلسطین، مصر، اسکندریہ، روم، ایران، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے علوم و فنون کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کرائی جاتی تھیں اور بہت سے مترجمین علوم و فنون پر خود بھی کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ بعض ذی علم مترجمین ترجموں کی اصلاح اور نظر ثانی پر مامور تھے۔

مامون الرشید ہی کے عہد میں ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ الخوارزمی[1] نے مامون الرشید کی فرمائش پر علم ریاضی کے اصول پر مشتمل کتاب "الجبر والمقابلہ" لکھی اور وہ اصول قائم کئے کہ ان میں آج تک نہ ترمیم ہو سکی نہ اضافہ ممکن ہوا۔ خالد بن عبد الملک مرورزی اور یحییٰ بن ابی منصور وغیرہ کے ذریعہ شماسیہ کی رصد گاہ تعمیر و مکمل کرائی اور اجرامِ سماویہ کے مطالعہ پر علماء ہیئت مامور کئے۔ اصمعی جو لغات عرب اور نحو و ادب کا امام تھا، پیرانہ سالی کی وجہ سے کوفہ کو چھوڑ کر بغداد نہ آسکا، اس کو وہیں وظیفہ ملتا تھا اور اہم

---

[1] محمد بن موسیٰ الخوارزمی (۷۸۰ء-۸۴۷ء) دنیا کے عظیم ترین ریاضی دانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے اہم اور لافانی کارنامہ صفر (Zero) کی ایجاد ہے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندسوں میں صفر کا استعمال کیا جس کی وجہ سے حساب کتاب میں بہت سہولت ہو گئی۔ ان کی حساب کی کتاب "کتاب الجمع والتفریق" کے نام سے مشہور تھی اور اس کے متعدد ترجمے ہوئے۔

خوارزمی نے علم مثلث (Trignometry) میں بیش قیمت خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس علم میں ان کی سب سے نمایاں خدمت ان کا وہ شیڈول ہے جو زاویۂ جیب (Sine) اور مماس (Tangent) کے تفاعل سے متعلق ہے۔ فلکیات پر انہوں نے ایک مختصر کتاب تصنیف کی تھی اور "زج" نامی اپنا شیڈول ترتیب دیا تھا۔ خوارزمی نے "اصطرلاب" نامی ایک آلہ بھی ایجاد کیا تھا جس سے اجرامِ فلکی کی گردش اور زمین کی پیمائش کی جاتی تھی۔ انہوں نے جغرافیہ پر "صوت الارض" نامی کتاب لکھی تھی جس میں جغرافیائی نقشے بھی دیئے گئے تھے۔

مسائل حل کرنے کے لئے وہیں بھیجے جاتے تھے۔ فرآنحوی نے بغداد میں علم نحو کی تدوین کی اور کتابیں لکھوائیں۔ اُس کے لئے ایوانِ شاہی کا ایک کمرہ خالی کر دیا گیا تھا جس میں علماء طالب علمانہ حیثیت سے استفادہ کرنے آتے تھے۔ فن خوش نویسی پر مامون ہی کے زمانے میں کتابیں لکھی گئیں اور اس فن کے اصول و قواعد مدون و مرتب ہوئے۔

غرض اہل علم حکمرانوں کی سرپرستی و قدر و منزلت مسلمانوں کی ان دو باجبروت سلطنتوں میں علماء کو حاصل رہی۔ اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے سامنے یونانیوں' ایرانیوں' مصریوں اور ہندیوں کے علوم و فنون سب یکجا بے نقاب ہو گئے۔

اگرچہ اس دَور میں اسلامی علوم کا ارتقاء انفرادی طور پر ہوا لیکن ان تمام علوم سے علمائے اسلام کو بھی یہ موقع ملا کہ وہ قدیم فلسفوں اور متفرق علوم کی طرف توجہ دے سکیں۔ اس طرح مختلف قوموں کے حکمیہ علوم اور فلسفے قرآن کے مقابلے پر آئے تو خدامِ اسلام کو موقع ملا کہ انہوں نے اُن تمام فلسفوں اور تمام مخالف قرآن اصولوں کو غلط اور نادرست ثابت کیا۔ اس طرح مذاہب و علوم کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہو کر اسلام کو جو علمی فتوحات حاصل ہوئیں وہ اُن فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں جو عہد بنو اُمیہ میں حاصل ہوئیں۔ اس دَور کی یہی وہ علمی فتوحات ہیں جنہوں نے خلافت عباسیہ کو تاریخ اسلامی کے علمی حوالے سے ایک روشن باب بنا دیا ہے۔

دوسری چیز جو ہمیں اس دَور میں نظر آتی ہے وہ ہے بلا تفریق قوم و وطن علوم کا پھیلاؤ۔ غیر اسلامی علوم میں تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ ایرانی' ہندوستانی' یونانی' رومی' غرض ہر طرح کے صاحب علم اس دَور میں علوم سے مستفید ہوئے۔ اسلامی علوم میں بھی عجمیوں نے اس دَور میں ان علوم سے اس طرح استفادہ کیا کہ ایک وقت یہ بھی آیا کہ وہ اہل عرب کے بھی امام ٹھہرے۔ مثلاً جامع صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری' امام اعظم ابو حنیفہ' نعمان بن ثابت' امام اللغۃ اسماعیل بن محمد جوہری' استاد مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی' ابن خلدون' امام مسلم' امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم عرب نہ تھے۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ اسلام نے ظہور سے ہی ہر ایک قوم پر ابوابِ علم کو

کشادہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان اور بلادِ خراسان سے سرحد مراکش واندلس تک علم کا پھیلاؤ ہوا۔

مگر موجودہ دَور میں ہم دیکھتے ہیں مسلم دُنیا ان تمام علوم سے جو انہی کے ہاتھوں پروان چڑھے 'غفلت و بے حسی کا ایک منظر پیش کرتی ہے۔ محمد عربی ﷺ کے پیرو کار اپنے اسلاف کی تاریخ سے مُنہ موڑ چکے ہیں 'جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دُنیا کے معدنی وسائل اور زرخیز ترین حصّوں کے مالک ہونے کے باوجود وہ پست اور محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ قرآن وحدیث میں جس قدر زور علم پر دیا گیا ہے اور اہل علم کو جو قدر و منزلت عطا کی گئی ہے اس کے پیش نظر ضرورت ہے کہ ان نظریات کو پھر سے عام کیا جائے اور مسلم دنیا کو ان کے اسلاف سے روشناس کرایا جائے' تاکہ مسلمان علم سے محبت اور اس کے حصول میں دوبارہ عروج حاصل کر سکیں اور دُنیا کے لئے امن و سلامتی کے پیغامبر ثابت ہوں۔

مراجع و مصادر

۱) تاریخ اسلام' نجیب اکبر شاہ آبادی
۲) اُندلس میں مسلمان' رشید اختر ندوی
۳) کتاب الہند' ابو ریحان البیرونی
۴) رحمتٌ للعالمین' قاضی سلیمان منصور پوری
۵) مسلمانوں کا علمی عروج' لطف الرحمٰن خان

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰؓ

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

خالقِ ارض وسما کا افلاکی کلاک

تحریر : حافظ محمد صفدر ساجد

انسان ہر روز بلکہ ہر لمحہ افلاک کے عظیم و جلیل اور وسیع کلاک کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اُس کے دلفریب جمال' اس کی دل کشا وسعت' اور اُس کی دل فزا بیکرانی کو دیکھ کر انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ یہ کلاک اتنا بڑا' اس قدر فراخ' ایسا قوی اور اتنا پُر ہیبت ہے کہ اُس کی حرکات کو اربوں انسان' خواتین اور بچے' دنیا کے ہر حصے میں دیکھتے ہیں۔ یہ کائنات کا کلاک ہے۔ اس پر سوئیاں یا ہندسے نہیں ہیں' تاہم اس کا صحیح وقت بتانے کا طریق کار (Mechanism) اس قدر درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ سالوں پر سال گزرے' صدیوں پر صدیاں بیتیں' اور ہزاروں' بلکہ لاکھوں اور کروڑوں قرن گزرے ہیں' مگر صحیح وقت کے معاملے میں خالقِ ازل کے اس کلاک میں سیکنڈ کے اربویں حصے تک کا فرق نہیں آیا۔

ہمارے معمول کے کلاک کی تین سوئیاں ہوتی ہیں جو گھنٹے' منٹ اور سیکنڈ بتاتی ہیں۔ اسی طرح دیدۂ ظاہربین کے لئے آفاق کے کلاک کے بھی' سوئیوں کی جگہ تین اجزاء ہیں۔ یہ تین اجزاء ہماری زمین' چاند اور ہمارا سورج ہیں جو حیات و جمال اور جلال کا مرقع ہیں۔ انسان کی رہائش اور زندگی کے لئے پانی' ہوا' حرارت اور روشنی جیسی ہزاروں ضروریات والی حیات کے لئے موزوں ترین زمین' حسن ماہ کامل کا مالک ہمارا شہزادۂ جمال یعنی ضوفشاں قمر' اور قوی و عزیز تابندہ و پائندہ آفتاب عالم تاب' آتش و حرارت سے غضب ناک کہ جس کی طرف ہم آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتے' ہولناک مرکز نور و حرارت' صاحب ہیبت و جلال' مہر درخشاں' مرکز نظامِ شمسی' جس کے گرد آخری سیارہ پلوٹو ۷۳ کروڑ کلومیٹر کے حیرت فزا فاصلے پر محو طواف ہے۔

آج انسان اپنے نظامِ شمسی کے ان عجائباتِ فلکی کے بارے میں اپنے آباء سے کہیں

زیادہ خبرو نظر کا مالک ہے اور اتنا ہی زیادہ متحیر ہے' بلکہ حیرت سے انگشت بدندان ہے۔ اب اسے علم ہے کہ کائنات کی بے کنار فضا میں سیارے اور ستارے اتنے دور اور بعید ہیں کہ گویا امر غیب ہیں۔ گلیلیو اور دوسرے خردمندوں نے دوربین ایجاد کر کے علم کے اصل حیرت کدے میں گویا ایک کھڑکی کھول دی۔ جدید رصد گاہیں پورے عالم میں جابجا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنی ہوئی ہیں جن میں ایسی دوربینیں لگی ہوئی ہیں جو کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر واقع اجرامِ فلکی کو تلاش کر لیتی ہیں۔ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے بعید بین ماہرین افلاک اس طرح آسمانوں کو چھان مارتے ہیں جس طرح بہت بلندی پر اڑتا ہوا شاہین وسیع و عریض زمین و کوہستان پر اپنی تیز اور گہری نگاہ سے اپنے صید کی تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ انتہائی حساس اور جدید ترین دوربین کائنات کے آخری بعید کناروں سے ریڈیائی لہروں کے سگنل کو گرفت میں لے لیتی ہے۔

اب ماہرین علم الافلاک ہمیں ریڈیو اسٹرانومی کی مدد سے خالق و مالک کی ناقابل یقین وسعتوں والی اس بے حدود جنّتِ نگاہ میں لے آئے ہیں جو ممکن ہے قدرت کے ازلی منصوبے میں' حیات بعد الممات کی ابدی زندگی میں غیر فانی انسانی کی جولاں گاہ بنے گی۔

رصد گاہوں میں بیٹھے ہوئے سائنس دان جدید ترین کیمروں کی مدد سے ان "غائب" سیارگان کو ہمارے دیدہ و دل کے لئے "حاضر" بنا رہے ہیں۔ یہ سائنس دان سیاروں کے فاصلوں کو ناپتے ہیں' ان کی کمیت' کثافت اور درجۂ حرارت بتاتے ہیں۔ ان کے قطر' حجم' اور رفتار کے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُن میں سے کس کے گرد کتنے چاند ہیں اور وہ آفتاب کے گرد اور اپنے محور کے گرد اپنی سالانہ سیر کتنے عرصے میں مکمل کرتے ہیں۔ علماءِ افلاک ان کی کشش' جھکاؤ اور دباؤ کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہی کہتے ہیں کہ ہماری زمین کا مادہ یا کمیت ۶۰ کے آگے ۲۰ صفر میٹرک ٹن ہے۔ اُف خدایا' ہماری زمین کتنی بڑی ہے!

لیکن نہیں' یہ تو سورج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سورج اتنا بڑا ہے کہ ہماری زمین جیسی سوا تین لاکھ زمینیں اس میں سما سکتی ہیں۔ عطارد ہمارے تین ماہ کے عرصے میں سورج کے گرد طواف مکمل کرتا ہے۔ جبکہ پدی جتنا پلوٹو ہمارے ۲۴۸ سالوں

کے برابر وقت میں اپنا ایک سال یعنی سورج کے گرد ایک طواف مکمل کرتا ہے۔ زہرہ وہی سیارہ ہے جو کبھی طلوع آفتاب سے پہلے مشرق کی جانب اور اکثر غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی جانب ضوفشاں نظر آتا ہے۔ فیضِ فطرت نے آپ کو دیدۂ شاہین عطا کیا ہے تو اسی طرح' خلوت زہرہ و زحل و زمین میں یہ اسرار ہیں فاش' جو زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ "نگاہ چاہئے اسرار لاالٰہ کے لئے"

داستانِ آفاق کے یہ کردار اپنی دلچسپ سرگزشت بیان کرتے ہیں۔ یہ جو نظارہ ہائے گوناگوں دکھاتے ہیں اس پر اور ان اجرامِ کائنات کی نزاکتوں اور عظمتوں پر دیدہ ور کا دل عجب طرح سے دھڑکتا ہے۔ اور وہ مجسم سوال بن جاتا ہے کہ "وہ عقلِ کُل اور داناو بینا ہستی کون ہے جس نے ان بھاری بھرکم اور گرانڈیل اجسام کو بیکراں خلاؤں میں ان کے ازلی راستے پر ڈالا ہے اور ان کے مدار و مسیر مقرر کئے ہیں؟ وہ ذات اعلیٰ و عظیم کون ہے جس کے ادراک' دانش اور قوت و طاقت نے ایسی زبردست تخلیقاتِ جلیلہ کیں؟ کس نے ان کی تصویر و تشکیل اور تخلیق کا حکم دیا اور فرمانِ "کن" جاری کیا' چنانچہ فوراً تعمیل حکم ہوئی "فَیَکُوْنُ" اور عظیم زمین' اعلیٰ قمر' شاندار آفتاب' غیر محدود فضا' زبردست کہکشائیں اور متحیر کن کائنات وجود میں آگئی۔

ہماری مقدس کتاب ہمیں ابدی صداقت کی راہ دکھاتی ہے اور بیان کرتی ہے :

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ○ ﴾ (یونس : ۵)

"یہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے سورج کو چمکتا دمکتا بنایا ہے اور چاند کو منور و تاباں کیا ہے۔ پھر اس نے ان کے درجے اور گھٹنے بڑھنے کی منزلیں مقرر فرمائیں' تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ برحق ہی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں"۔

پھر یہ راہنمائی عاقل و خدا ترس کو یاد دلاتی ہے :

﴿ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ... ﴾ (الاعراف : ۱۸۵)

"کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے نظم و انتظام پر غور نہیں کیا؟ اور کیا انہوں نے اس کی مخلوقات و تخلیقات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا ہے؟"

خالقِ ارض و سما کا افلاکی کلاک کیا ٹک ٹک کرتا ہے اور غور و فکر کرنے والے ہوش مند کو کیا پیغام دے رہا ہے؟ حکیم الاُمّت کی ایک مشہور نظم کے تین عظیم مصرعے اس پیغام کی ترجمانی کرتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اے وقت اور زمانوں کے پیدا کرنے والے! انفس و آفاق میں تیری نشانیاں ظاہر و باہر ہیں اور تیری ہی ذات لازوال اور حیّ و قیوم ہے ؎

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!!

مراحل انقلاب کے نقطہ نگاہ سے سیرتِ مطہرہ کا ایک منفرد مطالعہ
اسلامی انقلاب کیلئے سرگرم عمل افراد کیلئے مشعل راہ
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' کے گیارہ خطبات پر مشتمل کتاب

منہج انقلابِ نبویؐ

کا نیا ایڈیشن' جو حسن ظاہری ہی نہیں حسن معنوی کے اعتبار سے بھی
سابقہ ایڈیشن پر فوقیت رکھتا ہے' چھپ کر آ گیا ہے
دیدہ زیب کمپیوٹر کمپوزنگ' عمدہ طباعت' چار رنگوں میں شائع شدہ خوبصورت سرورق'
صفحات : 376 قیمت مجلد : 160 روپے ' غیر مجلد : 140 روپے
شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے **3** منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501